قبلہ اول مسجد اقصیٰ، بیت المقدس اور فلسطین کی تاریخ

لہولہان

مسجدِ اقصیٰ کی پکار

کلنا فداک یا اقصیٰ

یا سلطان صلاح الدین ایوبی

مفتی محمد رضا مرکزی

الجامعۃ القادریہ نجم العلوم مالیگاؤں

قبلہ اول مسجد اقصیٰ، بیت المقدس اور فلسطین کی تاریخ

لہولہان
مسجد اقصیٰ کی پکار

......☆ مؤلف ☆......

محمد رضا مرکزی

(مدرس الجامعۃ القادریہ نجم العلوم، مالیگاؤں)

......☆ ناشر ☆......

البرکات فاؤنڈیشن، مالیگاؤں

ایک بار اور بھی

بطحا سے

فلسطین میں آ

راستہ دیکھتی

ہے مسجد اقصیٰ

تیرا

قرآنِ کریم اور تاریخِ عالم کے مطالعہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یہودیوں کو اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی انعامات سے نوازا تھا۔لیکن انہوں نے ان نعمتوں کی ناقدری کی تو انسانی قیادت ورہنمائی کی باگ ڈوران سے چھین لی گئی۔اس قوم نے اللہ کے بھیجے ہوئے پیغمبروں کو قتل کیا، کتاب الٰہی میں تحریف کی، ان گھناونے جرائم کے نتیجہ میں ان کو مختلف امراض میں مبتلا کردیا گیا، یہی امراض ان یہودیوں کی قومی خصوصیات بن گئے یعنی بزدلی، مجرمانہ ذہن اور قساوتِ قلبی، ناشکری، کذب، بہتان تراشی، مکروفریب اور دھوکہ دہی، مال کی پرستش اور حرام خوری، عہد شکنی وخیانت، تکبروغرور، فسق وفجور، بے حیائی، سودخوری اور ذلت ورسوائی، ان پر لگے قدرت کے ان بدنما داغوں کودھونے کے لیے یہودیوں نے پہلانشانہ مسیحیوں کوپھر مسلمانوں کواور اس کے بعد ساری انسانیت کو بنایا۔

سب سے پہلے ''یہودیت کی وجہ تسمیہ اور ابتدائ'' کے بارے میں جانکاری حاصل کرتے ہیں اس لیے کہ آج یہودیت کو سمجھنے کیلئے سب سے اہم چیز اِس نام کی ابتدا اور اس کا وجود کہاں سے اور کیوں ہوا؟ معلوم کرنا ضروری امر ہے۔

یہودیت کی ابتدا اور وجہ تسمیہ

یہودی ذہن کو سمجھنے کیلئے ہمیں تاریخ کے ان واقعات کا ازسرنو مطالعہ کرنا ہوگا جو قرونِ اولیٰ سے لیکر اب تک سلسلہ وار رونما ہوتے رہے ہیں۔اس سے ان کی عیسائیت کے ساتھ دشمنی کی تاریخی جھلک بھی دکھائی دے سکتی ہے۔اور مسلمانوں سے عناد کے اسباب بھی سمجھ میں آسکتے ہیں۔اور جدید تاریخ میں یورپ کے مختلف ممالک میں اُٹھنے والی تحریکوں سے ان کے مثبت اور منفی علائق کا بھی اظہار ہوسکتا ہے۔

''اسرائیل'' یہود یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ نام ہمیں اللہ کی طرف سے عطا کیا گیا ہے۔ ''اسرائیل'' کے لفظی معنی ''خدا سے کُشتی کرنے والا'' ہے، یہ معنی یہودیوں کی کتابِ مقدس

(The Holy Sepulchre) کے جدید ترین ترجمے میں بتایا گیا ہے جو جیوش پبلیکیشنز سوسائٹی آف امریکہ، ۱۹۵۴ء میں شائع کیا،

اس نام کا ذکر کتابِ مقدس (Genesis) کے باب ۳۲/آیت ۲۵/تا ۲۹/ میں آیا ہے۔ عیسائیوں کی مترجم بائبل میں بھی یہ مضمون اسی طرح بیان ہوا ہے۔ یہودی ترجمہ کے حاشیے میں ''اسرائیل'' کے معنی یوں لکھے گئے ہیں کہ (He who striveth with God) یعنی ''وہ جو خدا سے زور آزمائی کرے'' انسائیکلو پیڈیا ببلیکل لٹریچر میں عیسائی علما نے اسرائیل کے معنی ((Wrestler with God) یعنی ''خدا سے کشتی کرنے والا'' لکھے ہیں۔

آسمانی کتاب بائبل باب ''ہوسیع ۱۲/آیت ۴''میں حضرت یعقوب کی تعریف یوں بیان کی گئی ہے۔'' کہ وہ اپنی جوانی کے زمانے میں خدا سے کشتی لڑا پھر فرشتے (حضرت) جبرئیل سے کشتی کی اور غالب رہا۔''

یہودی روایات میں آیا ہے کہ ہمارے مورثِ اعلیٰ (حضرت) یعقوب سے اللہ تعالیٰ نے رات بھر کشتی لڑی جو صبح تک جاری رہا۔ اللہ تعالیٰ پھر بھی اسے پچھاڑ نہ سکا۔ جب صبح ہوگئی تو اللہ نے ان سے کہا ''اب مجھے جانے دو''۔ تو انہوں نے کہا میں تجھے اسوقت تک جانے نہ دوں گا جب تک تو مجھے برکت نہ دے۔ اللہ نے پوچھا: تمہارا نام کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: یعقوب ،اللہ نے فرمایا: آئندہ تیرا نام یعقوب نہیں اسرائیل ہوگا۔ (بائبل، باب ہوسیع)

میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ آخر وہ کیسا خدا تھا جو اپنے مدمقابل کے نام تک سے بے خبر تھا اور پھر کشتی لڑ کر اپنے حریف سے شکست بھی کھا گیا؟

عام لوگ بنی اسرائیل کے عروج کی تاریخ حضرت موسیٰ سے شروع کرتے ہیں لیکن قرآن مجید کی سورۃ المائدہ آیت ۲۰ میں ہے کہ ''ترجمہ کنز الایمان شریف''''اور جب موسیٰ نے کہا اپنی قوم سے اے میری قوم! اللہ کا احسان اپنے اوپر یاد کرو کہ تم میں سے پیغمبر کیے، اور تمہیں بادشاہ کیا اور تمہیں وہ دیا جو آج سارے جہانوں میں کسی کو نہ دیا، اے قوم اس پاک زمین میں

داخل ہو جو اللہ نے تمہارے لئے لکھی ہے اور پیچھے نہ پلٹو کہ نقصان پر پلٹو گے''۔

اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسرائیل کا اصل زمانۂ عروج حضرت موسیٰ کی بعثت سے پہلے گذر چکا تھا جسے خود حضرت موسیٰ اپنی قوم کے سامنے اس کے شاندار ماضی کی حیثیت سے پیش کرتے تھے۔

انبیا میں سے کوئی بھی یہودی نہ تھا

اصل دین جو حضرت موسیٰ اور ان سے پہلے اور بعد کے انبیا لائے تھے وہ تو اسلام ہی تھا ان انبیا میں سے کوئی بھی یہودی نہ تھا۔ اور نہ ان کے زمانے میں یہودیت پیدا ہوئی تھی، یہ مذہب اس نام کے ساتھ بعد کی پیداوار ہے یہ اس خاندان کی طرف منسوب ہے جو حضرت یعقوب کے چھوٹے بیٹے ''یہودہ'' کی نسل سے تھا، حضرت سلمان علیہ السلام کی وفات کے بعد ان کی سلطنت دو ٹکڑوں میں بٹ گئی تو یہ خاندان اس ٹکڑے پر مشتمل ریاست کا مالک بن گیا جو ''یہودیہ'' کے نام سے موسوم ہوئی۔ جبکہ بنی اسرائیل کے دوسرے قبیلوں نے اپنی الگ ریاست ''سامریہ'' قائم کر لی۔ پھر اسیریا نے نہ صرف سامریہ کو تباہ و برباد کر دیا بلکہ ان اسرائیلی قبیلوں کو بھی ملیا میٹ کر دیا جو اس ریاست کے بانی تھے اس کے بعد صرف ''یہودہ'' اور اس کے ساتھ بن یامین کی نسل باقی رہے گئی۔ جس پر یہودہ کی نسل کے غلبے کی وجہ سے یہودی کے الفاظ کا اطلاق ہونے لگا۔ اس نسل کے اندر کاہنوں اور ربیوں اور احبار نے اپنے اپنے خیالات اور رجحانات کے مطابق جو عقائد و رسوم اور مذہبی ضوابط کا ڈھانچہ صدیوں میں تیار کیا تھا، اس کا نام ''یہودیت Judaim'' ہے۔ انگریزی لغت کے مطابق Judaim کے معنیٰ ہیں۔

یہودی مذہب جو عہد نامہ عتیق اور تالمود کے ارشادات کے مطابق ہے، جس میں ایک خدا پر عقیدہ اور یہودی شریعت کی پابندی لازم آتی ہے۔ اس لفظ کے ایک معنیٰ یہودیوں کے روایتی، مذہبی اور اخلاقی عقائد و رسومات کے بھی ہیں۔ الغرض قرآن مقدس میں بھی بار ہا یہ واضح

کرانے کی کوشش کی ہے کہ انبیاے سابقہ میں سے کوئی بھی یہودی نہیں تھے ۔ اور قرآن میں مسلمانوں کا سب سے بدترین دشمن یہودیوں کو ہی قرار دیا ہے۔

یہودی ضدی اور ہٹ دھرم ہوتے ہیں

ایچ جی ویلز اپنی کتاب ((The Qutlcok For Homosapiens میں لکھتا ہے۔ ''ہمیں جاننا چاہیے کہ بائبل کا تربیت یافتہ یہودی سخت ضدی اور ہٹ دھرم ہے جس نے وکیلانہ استدلال کی تربیت پائی ہے، عیسائیوں نے گھاٹے کا سودہ کیا، لیکن اپنی بات پر اڑے رہے، یہیں سے عرب قوم کی مصیبت کا آغاز ہوا۔ ولیم شیکسپیر نے یہودیوں کی بے رحم ضد کو شائی لاک کی صورت میں دیکھا، یہ یہودی آج بھی ''یہودہ'' (جن کا تذکرہ پہلے ہو چکا) کی جان لینے کے لیے یا ان کی جان واپس آنے کے لیے ''دیوارِ گریہ'' سے لپٹ کر اس وعدے کی تکمیل چاہتے ہیں جس سے اس نے مستقل طور پر انحراف کیا اور اب وہ برطانیہ کا سرکھار ہے کہ اعلان بالفور کی روشن امیدوں کو پروان چڑھایا جائے اور یہودیت کا اعلان سرعام کیا جائے۔

فلسطین پر یہود کا دعویٰ مضحکہ خیز

ممتاز برطانوی مورخ الفرڈ جے ٹوائین بی فلسطین کی سرزمین یہودیوں کی ملکیت ہونے کے دعوے کو مضحکہ خیز اور احمقانہ دیتے ہوئے لکھتا ہے: ''اٹھارہ سو برس کے بعد یہ بات ہرگز نہیں کہی جاسکتی کہ فلسطین یہود کا وطن ہے، ورنہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ ریڈ ایڈینوں کی مملکت ہے۔ اگر ایسی بات ہوتی تو برطانیہ اور دوسرے کئی ممالک کی صورتحال بالکل بدل جائے گی۔ میرے خیال میں یہود کا فلسطین پر بجز اس کے کوئی حق نہیں کہ وہ وہاں ذاتی جائداد خرید سکتے ہیں انہیں وہاں ریاست قائم کرنے کا کوئی حق نہیں، کہ یہ بے حد بدنصیبی کی بات ہے کہ وہاں مذہب کی بنیاد پر ایک ریاست قائم کر دی گئی ہے۔''

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو زہر دے دیا گیا

جنگ خیبر کے وقت ایک یہودی عورت زینب بنت الحرث نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دعوت دی۔ جسے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منظور فرمالی۔ اس نے ایک دنبہ ذبح کیا اور بھوننے سے پہلے اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا: آپ کونسا حصہ پسند فرمائیں گے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ: مجھے دست کا گوشت زیادہ پسند ہے: چنانچہ اس نے سارے دنبہ پر زہر چھڑکا اور دست کو خاص طور پر زہر آلود کیا، دسترخوان پر بیٹھنے کے بعد آپ نے ایک لقمہ منہ میں ڈالا لیکن اسے نگلا نہ تھا کہ فرمایا: یہ گوشت مجھ سے کہتا ہے کہ اسے زہر آلود کیا گیا ہے چنانچہ آپ نے اس وقت اسے اگل دیا۔ حضرت بشر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن البرا نے بھی آپ کے ساتھ ایک ہی نوالہ لیا تھا، لیکن وہ اسے نگل گئے اور شہید ہو گئے، اپنی علالت کے آخری دنوں میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس واقعہ کو یاد کرتے ہوئے فرمایا، میرے پاس اُم بشر رضی اللہ عنہ آئی تھی اور میں نے اسے کہا تھا ''اُم بشر مجھے اس گوشت کی وجہ سے جو میں نے خیبر میں کھایا تھا شدید درد لاحق ہے اسی گوشت سے تیرا بھائی شہید ہوا تھا۔ چنانچہ ایک روایت کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال اسی زہر کے اثر سے ہوا تھا۔ خیبر کی ان شکستوں کے بعد یہودی بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ ہم آدھی مسلمانوں کی زمین پر کھیتی باڑی کرنے کے لیے تیار ہیں اس کے بدلے میں ہمیں خیبر میں رہنے کی اجازت دے دی جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہودیوں کے معاندانہ ماضی کے باوجود ان کی درخواست منظور فرمالی، بظاہر انہوں نے پُرامن شہری کے طور پر زندگی گزارنا شروع کر دی، لیکن اپنی فطرت سے بعض نہ آئے، اور درپردہ اپنے مقاصد کی تکمیل میں مصروف رہے۔ اور چھپ کروار کرنے کے مواقع تلاش کرتے رہے۔

ذرا غور کریں کے یہ قوم کتنی بزدل ہے کہ وہ اپنے جنگی کام کو بھی ایک عورت کے ذریعہ انجام دلوا رہے ہیں۔ بتاؤ رسول اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زہر دینے والی عورت کون تھی؟ ایک یہودن ہی تو

تھی۔ یہ ہے یہودیوں کی مسلمانوں سے دشمنی جس کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اپنے بندوں سے کیا کہ ان یہودیوں سے بچے رہیں یہ تمہارے سب سے بدترین دشمن ہیں۔

صلیبی جنگوں کے دوران یہودیوں کی انتہائی شرانگیزی

صلیبی جنگوں کے دور میں یہودیوں نے ایک عظیم مکروہ سازش کی جو یہ تھی کہ:

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم اطہر کو روضہ مبارک سے نکال کر کہیں پہنچا دیا جائے۔ یا وہ کوئی اور ایسی حرکت کرنا چاہتے تھے جس سے مسلمانوں کے جذبات کو شدید ٹھیس پہنچ سکے۔ یہ نورالدین زنگی مرحوم ومغفور کا دور تھا، مسلمان فوج جرمنی کے شہنشاہ کانرڈ کی ۹ لاکھ افراد پر مشتمل فوج کے خلاف یروشلم میں نبرد آزما تھی کہ دو مسکین صورت باریش یہودی مدینہ منورہ کے نواح میں وارد ہوئے، ان کی وضع قطع دیکھ کر کسی کو شبہ تک نہیں ہوسکتا تھا کہ عبادت وریاضت کے سوا بھی ان کا کوئی مقصد ہوسکتا ہے۔ دن بھر یہ لوگ اللہ اللہ کرتے اور راتوں کو اپنے حجرے میں سرنگ کھودتے تاکہ روضۂ اطہر تک پہنچ سکیں، یہاں تک کہ ان کی سرنگ روضہ مبارک کے بالکل قریب جا پہنچی، ایک رات حضرت نورالدین زنگی کو خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی اطلاع دی، وہ اگلے روز بہت پریشان ہوئے دوسرا دن بھی پریشانی میں گذرا، تیسرے دن پھر وہی خواب آیا جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے سختی کے ساتھ عمل کرنے کا تقاضہ کیا۔ انہوں نے بیدار ہوتے ہی مدینہ منورہ کا رخ کیا۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے شہر کا جائزہ لیا لیکن ہر چیز معمول پر پایا۔ اب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب میں ان یہودیوں کی شکلیں بھی انہیں ذہن نشین کرادی۔ دوسرے دن نورالدین زنگی نے مدینہ شہر کے باشندوں کی دعوت کا انتظام کیا اور حکم دیا کہ کوئی شخص بھی دعوت میں شرکت کئے بغیر نہ رہے۔ حکم کے مطابق لوگ آتے گئے اور کھاتے چلے گئے، مگر ان میں وہ دو شیطان صفت یہودی نظر نہ آئے اب نورالدین زنگی پھر پریشان ہوئے۔ وہ آتے بھی کیسے؟ انہیں تو اس کی اطلاع بھی نہ تھی، ان میں سے ایک کھدال لے کر سرنگ میں اتر جاتا اور

دوسرا پہرا دیتا اور ساتھ میں عبادت میں بھی مصروف رہتا تھا۔ نورالدین زنگی نے منتظمین دعوت سے استفسار کیا کہ کوئی شخص شرکت سے رہ تو نہیں گیا؟ ایک اہلکار نے کہا: آقا! پورا شہر تو آ گیا ہے البتہ دو عابد وزاہد افراد شامل نہ ہو سکے۔ کیونکہ وہ ہر وقت عبادت وریاضت میں مصروف رہتے ہیں۔ انہیں کوئی دعوت اپنے ذکر الٰہی سے نہیں روک سکتی۔ سلطان نے کہا ''سبحان اللہ! کیا شان ہے ان کی ہم خود ان کی زیارت کریں گے''۔ چنانچہ ملازمین کے سروں پر مختلف کھانوں کے خوان اٹھوائے سلطان ان کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ یہودی جو پہرا داری کر رہا تھا دور سے اس کو نظر آیا کہ ایک چھوٹا سا قافلہ اس کی کٹیا کی طرف بڑا چلا آ رہا ہے۔ اس نے جلدی سے اپنے ساتھی کو اوپر بلا لیا، دیکھو اتنے لوگ ہماری جانب کیوں آ رہے ہیں؟ اتنے میں سلطان ان کے سر پر جا پہنچا ان کی شکلیں ہو بہو وہی تھیں، جو خواب میں دکھائی گئی تھی۔ نورالدین زنگی نے دونوں کی مشکیں کسوا دیں، لوگ سناٹے میں آ گئے جب ان کی کٹیا کی تلاشی لی گئی تو بہ ظاہر کچھ دکھائی نہ دیا۔ لیکن جب ان کا مصلا اٹھا کر دیکھا گیا تو اس کے نیچے سرنگ کا ایک دروازہ تھا۔ ان کے رنگ جو پہلے فق تھے اب مزید پیلے ہو گئے۔ سلطان نے برسرِ عام انہیں کوڑے لگوائے۔ اب اقرارِ جرم کے سوا ان کے پاس کوئی راستہ نہ تھا، سلطان نے انہیں موت کی سزا دی انہیں قتل کروا دیا اور ان کی لاشوں کو نذرِ آتش کر دیا گیا۔ یوں وہ اپنے کیفر کردار کو پہنچے۔ آئندہ ایسی صورتِ حال کی پیش بندی کے لیے انہوں نے روضہ اقدس کے چاروں طرف سات دھاتوں کی گہری دیوار تعمیر کر دی۔ جو آج تک ویسی کی ویسی ہے۔

ایسا خوف ناک منصوبہ بنانے والوں کی پست ذہنیت یہود کے سوا اور کس کی ہو سکتی ہے؟ اور وہ عالم اسلام کی نفرت کے بجا طور پر مستحق ہیں۔ ان کی اسی ذہنیت نے دنیا بھر میں انہیں ذلیل ورسوا کیا۔ مسلمان ان سے جو نفرت کرتے ہیں وہ کسی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ خود نصارا بھی جو تاریخ کے بعض مرحلوں میں ان کا ساتھ دیتے نظر آتے ہیں ان سے نفرت کا اظہار کیے بغیر نہیں رہ سکے۔

یہودیوں کا دعویٰ غلط۔ کہ ارض فلسطین پر ہمارا پیدائشی حق ہے

تاریخی کتابوں میں القدس کا تذکرہ مختلف ناموں سے ہوتا ہے، اس شہر کو پانچ ہزار سال قبل کنعانی عربوں نے آباد کیا اور اس کا نام ''ارسلیم'' رکھا۔ ''ار'' کا مطلب شہر اور ''سلیم'' کا مطلب امن۔ اس نام کو دیگر فاتحین نے برقرار رکھا۔ یہودی اس کو ''یروشلائم''، یونانی ''ہمروسولیما'' اور مغربی دنیا ''یروشلم'' کہتی ہے۔ ۱۲ ویں صدی قبل مسیح میں اسرائیلیوں نے کنعانیوں پر حملہ کیا۔ عرب قبائلی کنعانیوں نے اسرائیلیوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ اس وقت القدس کو ''یبوس'' کہا جاتا تھا۔ ۹۹۷ قبل مسیح میں جب یہودی حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ اس شہر میں داخل ہوئے تو، اس شہر کو شہر داؤد سے منسوب کر دیا۔ یہودیوں کے اقتدار کے خاتمے کے بعد بھی اس شہر کا نام اہل فارس، اہل یونان اور اہل رومیوں میں انتہائی مقبول تھا۔ کیونکہ یہ سب کے سب کبھی نہ کبھی اس شہر پر قبضہ کر چکے تھے، ۱۲۵ قبل مسیح میں سلطنت روما نے اس شہر کو تہس نہس کر دیا، بڑی تعداد میں اس شہر کے لوگوں کو بے گھر کر دیا گیا۔ مال واسباب لوٹ لئے گئے، اور اس شہر کا نام Aelia.Capitolina رکھا۔ جس کا مطلب ہے ''خدا کا گھر''۔ اگر چہ رومن کالسٹنٹساین نے اس شہر کا نام بدل دیا تھا، لیکن عربوں میں یہ شہر القدس کے نام سے مشہور رہا، جس کا مفہوم ہے، ''شرک وکفر سے پاک شہر''۔

القدس انبیاے کرام کی سرزمین ہے اور مسلمانوں اور عیسائیوں اور یہودیوں کے نزدیک یکساں طور پر قابل احترام ہے۔ اس سرزمین کو جن انبیاے کرام کا مسکن ہونے کا شرف حاصل ہے، ان میں حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام، حضرت زکریا علیہ السلام، اور حضرت صالح علیہ السلام کے اسماے گرامی قابل ذکر ہیں۔ انبیا علیہم السلام کی تاریخ کے حوالے سے کہا جاتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا مرقد القدس اور مسجدِ ابراہیم کے درمیان واقع ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت نوح

علیہ السلام کی کشتی یہاں سے گذری ، اور کشتی کے اندر غیب سے آواز آئی ''اے نوح یہ بیت المقدس ہے ابنیاء ومرسلین کا مولود ومسکن''۔تاریخ کے اوراق اس بات کے بھی شاہد ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے حضرت سام علیہ السلام نے یہاں بیت المقدس کی تعمیر کی اور وہ یہیں رہتے تھے۔

اور جب ہم آج فلسطین کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں اپنی کوتاہی پر شرمندہ ہونا پڑھتا ہے، آج فلسطین کی سرزمین بیت المقدس کے گلی کوچے خون میں نہائے ہوئے ہیں۔اس مقدس شہر کی تاریخ ایسی ہنگامہ آرائی اور معرکہ خیزیوں سے بھری پڑی ہے۔جس میں تین آسمانی مذاہب کے مقدس مقامات وآثار پائے جاتے ہیں۔اسی متبرک سرزمین کی بابت اس کے صحیح حق داروں اور اس کے چھوٹے دعویداروں کے درمیان ایک مستقل آویزش اور کشمکش چل رہی ہے۔ طاغوتی قوتیں شب وروز اسے نقصان پہنچانے پر تُلی ہوئی ہے۔انہوں نے اسرائیل کو اپنا آلہ کار بنا کر اسلام کی مقدس ترین مسجد ''مسجد اقصیٰ'' کو نذرآتش کیا،جس کا مقصد سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ بتدریج اس مقدس سرزمین سے اسلام اور مسلمانوں کا نام ونشان مٹادیا جائے۔

آج اسی بیت المقدس پر یہودی قابض ہیں۔مسجد اقصیٰ کے دروازے مسلمانوں کے لیے بند ہیں،محراب ومنبر کی بے حرمتی ہورہی ہے۔مسجدِ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بلند بالا مینار اذان کی آواز کو ترس رہے ہیں۔مقامات مقدسہ کا احترام ختم ہوچکا ہے،بیت المقدس کے صحن میں ظالم یہودی خون خرابہ کررہے ہیں۔مسلمانوں کے قبل اول میں داخل ہونے والے مسلمانوں کو گولیوں سے چھلنی کیا جارہا ہے۔اور آج فلسطین بیت المقدس کے درودیوار ایک ''سلطان صلاح الدین ایوبی رضی اللہ عنہ'' کا انتظار کررہی ہے۔

مسجدِ اقصیٰ کی شہادت اور ہیکلِ سلیمانی کی تعمیر

پچھلے ڈھائی ہزار سال سے یہودی دنیا پر حکومت کرنے کا خواب دیکھ رہے

ہیں۔ یہودی دانشوروں اور لیڈروں کا کہنا ہے کہ اب اس خواب کو عملی جامہ پہنانے کا وقت آ چکا ہے۔ اسرائیل کا قیام اس خواب کا پہلا قدم ہے۔ دوسرا قدم یروشلم اور مسجد اقصیٰ پر قبضہ کرنا تھا۔ یہودیوں کا ماننا ہے کہ اس جگہ پر ڈھائی ہزار سال پہلے بہت ہی عظیم الشان سلیمانی مندر تھا۔ یہ مندر جسے وہ ہیکل سلیمانی کہتے ہیں۔ یہودیوں کی عظمت کی نشانی ہے۔ اسے رومن بادشاہوں نے تباہ کر دیا تھا۔ جب تک ہیکل سلیمانی دوبارہ تعمیر نہیں ہوگا دنیا میں یہودیوں کی بادشاہت قائم نہیں ہوسکتی۔ اس ہیکل سلیمانی کو دوبارہ تعمیر کرنا دنیا کے ہر یہودی کا خواب ہے۔ دنیا کے یہودی اپنی دولت، صلاحیت اور طاقت اس ہیکل کی تعمیر پر صرف کرنے کے لئے تیار ہیں۔ ۱۹۶۸ء میں جب یہودیوں نے یروشلم پر قبضہ کیا تھا، اس کے بعد سے وہ دن رات مسجد اقصیٰ کو شہید کر کے ہیکل سلیمانی تعمیر کرنیکی سازشیں کر رہے ہیں۔ اس سازش میں امریکی یہودی پیش پیش ہیں جو اس خواب پورا کرنے کے لئے اربوں ڈالر خرچ کر رہے ہیں۔ یہودیوں کا ماننا ہے کہ ہیکل سلیمانی آسمان سے اترے گا اور پھر یہودیوں کی عظمت کا دور شروع ہوگا، جو دو ہزار برس تک قائم رہے گا۔ یہودی دنیا کی سب سے سپر پاور طاقت بن جائیں گے۔ اس کے بعد قیامت آئے گی اور دنیا تباہ ہو جائیگی۔ یہودی مذہبی رہنما، سیاست داں، بزنس مین اور دانشور سمجھتے ہیں کہ پچھلے ڈھائی ہزار برس میں یہودی اتنے طاقتور نہیں بنے جتنے کہ آج ہیں۔ آج ان کا دنیا کی سب سے بڑی طاقت امریکہ پر قبضہ ہے۔ ان کی دشمن طاقتیں پہلے جرمنی اور پھر روس تباہ ہو چکے ہیں۔ اب ان کی تیسری دشمن بنی اسلامی دنیا، اسلامی دنیا کے سب سے بڑے مخالف یاسر ورفات اور صدام حسین مارے جا چکے ہیں۔ عالم اسلام میں انتشار ہے، فلسطینی، فلسطینیوں کا خون بہا رہے ہیں، مسلمان، شیعہ، سنی میں بٹ کر خانہ جنگی کا شکار ہیں اس لئے یہی سب سے بہتر موقع ہے کہ کسی بہانے مسجد اقصیٰ کو شہید کر دیا جائے۔ یہودی مانتے ہیں کہ مسجد اقصیٰ کی تباہی کے بعد ایک عظیم الشان ہیکل سلیمانی کا نقشہ آسمان پر ابھرے گا اور مسجد کی جگہ لے لے گا۔ اس مسجد کی تباہی کے ساتھ عرب دنیا سے مسلمانوں کا زبردست زوال شروع ہوگا اور اسرائیل، مکہ، مدینہ

سے لیکر مصر تک اپنا عظیم ترین اسرائیل بنانے کا خواب پورا کر لے گا۔تیل کی دولت پر اس کا قبضہ ہوگا اور پھر وہ اپنے سائنسداں اور ماہرین کی مدد سے دنیا کی سب سے بڑی طاقت بن جائے گا،اس کے لئے عیسائی دنیا اور ہندو دنیا کی ضرورت ہوگی۔اس وقت یہودی وصیہونی تنظیمیں امریکہ، یوروپ، بھارت ،چین کو اپنے جال میں پھانسنے کے لئے اربوں ڈالر خرچ کر رہے ہیں(ہندوستانی مسلمانوں سے نپٹنے کے لئے ہندو۔یہودی (اسرائیلی)اتحاد تو ہو ہی چکا ہے یہ اتحاد ۲۰۰۶ء میں ہوا) ہر ملک کی میڈیا پر قبضہ کر رہے ہیں، یہ صیہونی پلان ہے جس کی تیاری یہودی دنیا پچھلے کئی سالوں سے کر رہی تھی آج مسجد اقصیٰ کے ارد گرد اس طرح کھدائی کی جارہی ہے کہ اندر ہی اندر یہ مسجد کمزور ہوکر کسی بھی لمحہ زمین بوس ہوجائے اس مسجد کے گرتے ہی پوری دنیا میں ہنگامے شروع ہوجائیں گے اس کا فائدہ اٹھا کر اسرائیلی فوج اس پورے علاقہ پر قبضہ کرلے گی اور پھر راتوں رات ہیکل سلیمانی کی تعمیر شروع ہوجائے گی۔

آج یروشلم میں جو ہو رہا ہے وہ اچانک نہیں ہو رہا ہے۔ایک قدیم پلان کے تحت ہو رہا ہے اسرائیلی قیادت میں البتہ اس بات پر اختلاف ہے کہ اس منصوبہ پر عمل درآمد کا وقت آچکا ہے یا ابھی کچھ اور انتظار کی ضرورت ہے۔اسرائیلی وزیر دفاع ''امیر پریٹز'' کا کہنا ہے کہ اسرائیل کو ابھی انتظار کرنا چاہئے اور پہلے ایران،حزب اللہ اور شام کی حکومت کو ٹھکانے لگانا چاہئے۔اسرائیلی فوج کے کمانڈر جنرل ''ایموس گلاڈ'' کا ماننا ہے کہ اس وقت کاروائی سے دنیا کے مسلمان متحد ہوجائیں گیاور اس سے اسرائیل کیلئے دنیا کو شیعہ۔سنی کیمپوں میں بانٹنے کا پلان فیل ہوجائیگا۔انہوں نے اسرائیل کے وزیر اعظم ''ایہود اولمرٹ'' کو مشورہ دیا ہے کہ وہ مسجد اقصیٰ کو گرانے کے پلان کو کم از کم ایک سال کے لئے ملتوی کر دیں۔مگر عالمی یہودی تنظیمیں اور دنیا کے ارب پتی یہودی تاجر جو اس پلان کی تکمیل پر پچھلے سو برس سے دولت لٹا رہے ہیں اب مزید انتظار نہیں کرسکتے۔وہ کہتے ہیں کہ یہ مسجد اقصیٰ کو شہید کرنے کا صحیح وقت ہے،اس سے عالم اسلام میں جو انتشار پیدا ہوگا اس کے نتیجہ میں امریکہ اور یوروپ پوری طاقت سے اسلامی دنیا پر حملہ

کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ عالمی رائے عامہ بھی اس وقت اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ہے۔ مسجد اقصیٰ کی شہادت سے عراق، ایران کا مسئلہ سیاسی نہیں مذہبی بن جائے گا اور پوری دنیا کے غیر اسلامی ملکوں اور تہذیبوں کو متحد کر کہ اسلام کے خلاف جنگ چھڑی جا سکی گی۔ ایسا لگتا ہے کہ فی الحال یہودی مسجد اقصیٰ کے گرد کھدائی کر کہ عالم اسلام کے ردعمل کو بھانپ رہے ہیں اگر رد عمل کمزور ہوتا ہے تو وہ اپنی کاروائی جاری رکھیں گے اور ردعمل سخت ہوتا ہے تو وہ چند مہینوں کے لئے اپنہ کاروائی بند کر دیں گے تا کہ عال، اسلام میں اختلافات اور بڑھ جائیں۔ ایران اور سعودی عرب میں جنگ چھڑ جائے، مسلمان مختلف فرقہ میں بٹ جائیں اور پھر موقع کا فائدہ اٹھا کرا چانک مسجد اقصیٰ پر قبضہ کر لیا جائے اور یہاں ہیکل سلیمانی تعمیر کرنے کے شیطانی خواب کو پورا کر دیا جائے۔

مسجدِ اقصیٰ کے احاطے میں یہودی معبد کا سنگِ بنیاد

آخر کار اسرائیل نے مسجدِ اقصیٰ کے احاطے میں ایک کنیسہ کی تعمیر کا سنگِ بنیاد رکھ ہی دیا ہے، عبرانی اخبار ''ہارٹیز'' کی رپورٹ کیمطابق حکومت طویل عرصہ سے مسجد اقصیٰ کے احاطے میں یہودی عبادت خانے پر غور کر رہی تھی تاہم اب یوکرائن کے تعاون سے معبد کا باقاعدہ سنگ بنیاد رکھ دیا گیا۔ مسجد اقصیٰ کے جنوبی دروانے کے قریب اور قبتہ الصخرہ سے چند میٹر کے فاصلے پر معبد ۱۴۱۴ مربع میٹر رقبے پر پھیلا ہوا ہے۔ جس میں مسجد اقصیٰ کے احاطے کا بھی بڑا حصہ شامل ہے۔ دوسری طرف ایک انتہا پسند یہودی تنظیم نے دعویٰ کیا ہے کہ مسجد اقصیٰ کے احاطے میں معبد کی تعمیر ہیکل سلیمانی کی تعمیر کی طرف ایک اہم قدم ہے۔ اس معبد کا سنگ بنیاد ۱۸ ستمبر ۲۰۰۷ء میں رکھا گیا ہے اسی سے یہودی حضرات کی خفیہ مہمات کا جائزہ لیا جا سکتا ہے۔ کہ وہ مسجد اقصیٰ کو ڈھانے کے درپے ہیں۔

مسجد اقصیٰ کی پکار

مسجد اُقصی کی فضیلت:

مسجد اُقصی کے درج ذیل فضائل قرآن وسنت میں بیان ہوئے ہیں:

1۔ مسجد اُقصی بابرکت زمین میں ہے:

قرآن میں چار مقامات پر سرزمین شام کو بابرکت زمین کہا گیا ہے۔ نزول قرآن کے وقت ملک شام' موجودہ شام سے بہت وسیع تھا۔ موجودہ فلسطین بھی اس کا ایک حصہ تھا۔ مسجد اُقصی شام کی اسی بابرکت سرزمین میں واقع ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

وَأَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِينَ كَانُوا يُسْتَضْعَفُونَ مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا (الأعراف:١٣٧)

اور ہم نے اس قوم کو کہ جس کو کمزور بنایا گیا تھا' اس سرزمین کے مشرق ومغرب کا وارث بنایا کہ جس سرزمین میں ہم نے برکت رکھ دی ہے۔

اس آیت مبارکہ میں حضرت سلیمان کے دور میں موجود بنی اسرائیل کی اس عظیم سلطنت کی طرف اشارہ ہے جو کہ اس زمانے کے شام اور اس کے گردونواح پر مشتمل تھی۔

اسی طرح ارشاد باری تعالی ہے:

وَنَجَّيْنَاهُ وَلُوطًا إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا لِلْعَالَمِينَ ﴿٧١﴾ (الأنبياء)

اور ہم اس کو (یعنی حضرت ابراہیم) اور حضرت لوط کو نجات دی ایک ایسی سرزمین کی طرف کہ جس میں ہم نے تمام جہان والوں کے لیے برکت رکھ دی ہے۔

عمار صاحب نے تحقیق کا یہ انداز و اسلوب جناب غامدی سے سیکھا ہے غامدی صاحب نے اپنی کتاب 'میزان' میں تفصیل سے اپنے اس اصول کو بیان کیا ہے کہ قرآن کو سابقہ صحف

سماویہ کی روشنی میں سمجھنا چاہیے۔ اس آیت مبارکہ کے الفاظ 'العالمین' سے واضح ہوتا ہے کہ سرزمین فلسطین وشام کی برکات کسی خاص جماعت، قوم یا مذہب کے ماننے والوں کے لیے نہیں ہیں جیسا کہ یہودیوں کا یہ خیال ہے کہ اس سرزمین کی برکات ان کے لیے مخصوص ہیں بلکہ اس سرزمین کی برکت تمام اقوام، مذاہب اور جماعتوں کے لیے ہیں۔

اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلِسُلَيْمَانَ الرِّيحَ عَاصِفَةً تَجْرِي بِأَمْرِهِ إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عَالِمِينَ ﴿٨١﴾ (الأنبياء)

اور حضرت سلیمان کے لیے ہم نے تیز و تند ہوا کو مسخر کر دیا تھا جو ان کے حکم سے اس سرزمین کی طرف چلتی تھی کہ جس میں ہم نے برکت رکھ دی ہے۔

اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَقَدَّرْنَا فِيهَا السَّيْرَ سِيرُوا فِيهَا لَيَالِيَ وَأَيَّامًا آمِنِينَ ﴿١٨﴾ (سبا: ١٨)

اور ہم نے ان (یعنی قوم سبا) کے درمیان اور ان بستیوں کے درمیان کہ جن میں ہم نے برکت رکھ دی ہے، کچھ نمایاں بستیاں بنائی تھیں۔

اس آیت مبارکہ کے الفاظ 'القریٰ' سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ برکت صرف فلسطین کی بستی میں نہیں رکھی گئی بلکہ ان تمام بستیوں میں رکھی گئی ہے جو کہ سرزمین شام پر واقع ہیں۔

2۔ مسجد اقصیٰ کے اردگرد کی سرزمین بھی بابرکت ہے:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى الَّذِي بَارَكْنَا حَوْلَهُ لِنُرِيَهُ مِنْ آيَاتِنَا إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴿١﴾ (الاسراء)

پاک ہے وہ ذات جو لے گئی اپنے بندے کو ایک رات میں مسجد حرام سے مسجد اقصی تک کہ جس کے اردگرد ہم نے برکت رکھ دی ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد اُقصی کے ساتھ ساتھ اس کے اردگرد کی سرزمین یعنی فلسطین و شام کا علاقہ بھی بابرکت ہے۔

3۔ مسجد اُقصی ارض مقدسہ میں ہے:

ارشاد باری تعالی ہے:

یَا قَوْمِ ادْخُلُوا الْأَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِي كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ (المائدة:۲۱)

اے میری قوم کے لوگو! داخل ہو جاؤ اس مقدس سرزمین میں کہ جس کو اللہ تعالی نے تمہارے لیے لکھ دیا ہے۔

قتادہ رحمہ اللہ کے نزدیک ارض مقدسہ سے مراد 'شام' ہے جبکہ مجاہد رحمہ اللہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کے ایک قول کے مطابق 'کوہ طور اور اس کے اردگرد کا علاقہ' مراد ہے۔ اسی طرح سدی رحمہ اللہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کے دوسرے قول کے مطابق اس سے مراد 'اُریحا' ہے۔ زجاج رحمہ اللہ نے کہا اس سے مراد 'دمشق اور فلسطین' ہے۔ بعض مفسرین کا کہنا یہ ہے کہ اس سے مراد 'اردن کا علاقہ' ہے۔ امام قرطبی اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں ان تمام اقوال کو نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ قتادہ رحمہ اللہ کا قول سب کو شامل ہے۔ امام قرطبی کے اس قول سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کے زمانے میں شام میں فلسطین، دمشق اور اردن کا علاقہ بھی شامل تھا اسی طرح کوہ طور اور اس کے اردگرد کا علاقہ حتی کہ اُریحا کا شہر بھی شام کی بابرکت سرزمین کی حدود میں تھا۔

4۔ بیت اللہ کے بعد دوسری مسجد:

مسجد اُقصی روئے زمین پر بیت اللہ کے بعد دوسری مسجد ہے کہ جس کو عبادت الہی کے لیے تعمیر کیا گیا۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

سألت رسول الله ﷺ عن أول مسجد وضع فی الأرض قال المسجد الحرام قلت ثم أی قال المسجد الأقصی قلت کم بینهما قال أربعون عاما (۱)

میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ اس روئے زمین پر سب سے پہلے کون سی مسجد تعمیر کی گئی آپ نے جواب دیا مسجد حرام' میں نے پھر سوال کیا اس کے بعد کون سی مسجد تعمیر کی گئی تو آپ نے فرمایا مسجد اُقصیٰ' میں نے کہا ان دونوں کی تعمیر کے دوران کل کتنا وقفہ ہے تو آپ نے کہا چالیس سال۔

5۔ مسجد اُقصیٰ کی طرف شد رحال کی مشروعیت:

مسجد اُقصیٰ ان تین مساجد میں شامل ہے کہ جن کا تبرک حاصل کرنے کے لیے یا ان میں نماز پڑھنے کے لیے یا ان کی زیارت کے لیے سفر کو مشروع قرار دیا گیا ہے۔آپ کا ارشاد ہے:

لا تشد الرحال الا الی ثلاثة مساجد مسجدی ھذا و مسجد الحرام و مسجد أقصی (۲)

تین مساجد کے علاوہ کسی جگہ کا قصد کر کے سفر کرنا جائز نہیں ہے میری اس مسجد کا یعنی مسجد نبوی کا ' مسجد حرام کا اور مسجد اُقصیٰ کا۔

6۔ مسجد اُقصیٰ کو انبیاء نے تعمیر کیا:

مسجد اقصیٰ ان مساجد میں سے ہے کہ جس کو جلیل القدر انبیاء نے تعمیر کیا۔طبرانی کی ایک روایت کے الفاظ ہیں:

أن داؤد ابتدأ ببناء البیت المقدس ثم أوحی الله الیه انی لأقضی بناؤه علی ید سلیمان (۳)

حضرت داؤد نے بیت المقدس کی تعمیر کے لیے بنیادیں رکھیں پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی کہ میں مسجد اُقصیٰ کی تعمیر حضرت سلیمان کے ہاتھوں مکمل کرواؤں گا۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنھما اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں:

أن سليمان بن داؤد لما بنى بيت المقدس سال الله عز و جل خلالا ثلاثة ۔۔۔ سأل الله عز و جل حين فرغ من بناء المسجد أن لا ياتيه أحد لا ينهزه الا الصلاة أن يخرجه من خطيئته كيوم ولدته أمه (۴)

حضرت سلیمان نے جب بیت المقدس کی تعمیر مکمل کر لی تو اللہ تعالی سے تین باتوں کی دعا کی۔۔۔

7۔ مسجد اقصی میں نماز پڑھنے کی فضیلت:

صحیح حدیث میں مسجد اقصی میں نماز پر ھنے کی بہت زیادہ فضلیت بیان ہوئی ہے۔حضرت عبد اللہ بن عمر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں:

أن سليمان بن داؤد لما بنى بيت المقدس سال الله عز و جل خلالا ثلاثة ۔۔۔ سأل الله عز و جل حين فرغ من بناء المسجد أن لا ياتيه أحد لا ينهزه الا الصلاة فيه أن يخرجه من خطيئته كيوم ولدته أمه (۵)

حضرت سلیمان نے جب بیت المقدس کی تعمیر مکمل کر لی تو اللہ تعالی سے تین باتوں کی دعا کی ۔۔۔ جب وہ مسجد بنا کر فارغ ہو گئے تو اللہ تعالی سے سوال کیا کہ جب بھی کوئی شخص اس مسجد میں نماز پڑھنے کی غرض سے آئے تو وہ گناہوں سے ایسے پاک ہو کر نکلے جیسے کہ اس کی ماں نے اس کو جنا ہو۔

8۔ مسجد اقصی سے احرام باندھ کر حج کرنے کی فضیلت:

مسجد اقصی سے حج یا عمرہ کے لیے احرام باندھ کر مسجد حرام کی طرف نکلنے کی بہت زیادہ فضیلت حدیث میں آئی ہے۔ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا آپ سے روایت کرتی ہیں کہ آپ نے فرمایا:

من أهل بحجة أو عمرة من المسجد الأقصى الى المسجد الحرام غفر له ما تقدم من ذنبه و ما تأخر أو وجبت له الجنة شك عبدالله أيتهما قال (٦)

جس نے بھی مسجد اقصی سے مسجد حرام تک لیے حج یا عمرہ کی نیت سے احرام باندھا اس کے اگلے پچھلے گناہ معاف ہو جائیں گے یا اس کے لیے جنت واجب ہو جائے گی۔ عبداللہ کو شک گزرا کہ آپؐ نے ان دونوں میں کون سے الفاظ فرمائے ہیں۔

9۔ مسجد اُقصی میں نماز پڑھنے کی نذر ماننا جائز ہے:

فتح مکہ کے موقع پر ایک شخص نے آپؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آکر سوال کیا:

یا رسول اللّٰہ انی نذرت للہ ان فتح اللّٰہ علیک مکۃ ان أصلی فی بیت المقدس رکعتین قال صل ھا ھنا ثم أعاد علیہ فقال صل ھا ھنا ثم أعاد علیہ فقال صل ھا ھنا ثم أعاد علیہ فقال شانک (۷)

اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے نذر مانی تھی کہ اگر اللہ تعالی نے آپؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھوں مکہ فتح کروا دیا تو میں بیت المقدس میں دو رکعت نماز پڑھوں گا۔ آپؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہاں ہی پڑھ لے اس نے پھر آپؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اپنی بات کو دھرایا آپؐ نے فرمایا یہاں نماز پڑھ لے اس نے پھر اپنی بات کو دھرایا آپؐ نے فرمایا یہاں نماز پڑھ لے اس نے پھر اپنی بات کو دھرایا تو آپؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تمہارا معاملہ ہے (یعنی جہاں تو چاہے پڑھ لے میں نے تو تیری آسانی کی خاطر تجھے یہ مشورہ دیا تھا)۔

اس کے علاوہ بھی روایات ہیں کہ جن سے مسجد اقصی کی برکت وفضیلت کا اظہار ہوتا ہے لیکن طوالت کے خوف سے ہم صرف انہی روایات پر اکتفا کرتے ہیں۔

مسجد أقصی کی تعمیر و تاریخ

عمار صاحب نے اپنے مضمون میں مسجد اُقصی کی تاریخ بیان کرتے ہوئے اپنی تحقیق کی کل بنیاد اسرائیلی روایات کو بنایا ہے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ حدیث کہ جس میں مسجد اقصی کی پہلی تعمیر کا تذکرہ ہے اس کو حاشیہ میں بیان کیا ہے اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ عمار صاحب کی

اس نادر تحقیق کے اصل اور فیصلہ کن مصادر کون سے ہیں؟۔

قرآن وسنت کی روشنی میں مسجد اُقصی کی تعمیر وتاریخ کا تعین کرنے میں حضرت ابوذر غفاری کی درج ذیل روایت کو بنیادی مقام حاصل ہے۔حضرت ابوذر سے روایت ہے:

سألت رسول الله ﷺ عن أول مسجد وضع فی الأرض قال المسجدالحرام قلت ثم أی قال المسجد الأقصی قلت کم بینهما قال أربعون عاما (۸)

میں نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ اس روئے زمین پر سب سے پہلے کون سی مسجد تعمیر کی گئی آپ نے جواب دیا مسجد حرام' میں نے پھر سوال کیا اس کے بعد کون سی مسجد تعمیر کی گئی تو آپ نے فرمایا مسجد اقصی' میں نے کہا ان دونوں کی تعمیر کے دوران کل کتنا وقفہ ہے تو آپ نے کہا چالیس سال۔

اس روایت سے درج ذیل نتائج اخذ ہوتے ہیں:

1۔اس زمین پر سب سے پہلی مسجد جو کہ اللہ کی عبادت کے لیے تعمیر کی گئی' مسجد حرام ہے۔

2۔دوسری مسجد جو کہ اللہ کی عبادت کے لیے تعمیر کی گئی' مسجد اُقصی ہے۔

3۔ان دونوں مساجد کی تعمیر کے درمیان چالیس سال کا وقفہ ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بیت اللہ کی تعمیر کس دور میں ہوئی ؟۔اگر بیت اللہ کی تعمیر کا زمانہ متعین ہوجائے تو مسجد اُقصی کی تعمیر کا زمانہ ازخود متعین ہوجائے گا کیونکہ صحیح حدیث کے مطابق مسجد اُقصی کی تعمیر بیت اللہ کی تعمیر کے چالیس سال بعد ہوئی بیت اللہ کی تعمیر کے بارے میں آراء مختلف ہیں جن میں سے دو ہی آراء دلائل کی روشنی میں قوی ہیں:

الف)۔ایک رائے یہ ہے کہ بیت اللہ کی سب سے پہلی تعمیر حضرت ابراہیم کے زمانے میں ہوئی تھی قرآنی نص سے یہ بات ثابت ہے کہ بیت اللہ کو حضرت ابراہیم نے تعمیر کیا تھا۔ارشاد باری تعالی ہے:

وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿١٢٧﴾ (البقرة)

اور جب حضرت ابراہیم بیت اللہ کی بنیادیں اٹھارہے تھے اور حضرت اسمعیل علیہما السلام بھی۔

اگر ہم حضرت ابراہیم کی اس تعمیر کو بیت اللہ کی پہلی تعمیر مانیں تو مسجد اقصی کے پہلے مؤسس حضرت ابراہیم ہوں گے۔

ب)۔دوسری رائے یہ ہے کہ بیت اللہ کی پہلی تعمیر حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے میں ہوئی۔ اگر اس قول کو صحیح مانیں تو مسجد اقصی کے مؤسس حضرت آدم قرار پائیں گے۔ ہمارے نزدیک صحیح قول یہی ہے کہ بیت اللہ کی پہلی تعمیر حضرت آدم نے کی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آکر اس کی تجدید کی ہے۔

قول ثانی کے حق میں دلائل

ہماری اس رائے کی بنیاد درج ذیل دلائل پر ہے:

ا۔اللہ تعالی نے تمام انبیاء کے لیے نماز کو مشروع قرار دیا تھا جس کے لیے ایک قبلہ کا ہونا ضروری تھا۔لہذا یہ ثابت ہوا کہ حضرت آدم کے دین میں نماز کا مشروع ہونا اس بات کا متقاضی ہے کہ اس کے لیے حضرت آدم کوئی قبلہ بھی تعمیر کریں۔

۲۔اگر اس بات کو مان لیا جائے کہ حضرت ابراہیم نے سب سے پہلے بیت اللہ کی تعمیر کی تو اس کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ اس بات کا بھی اقرار کیا جائے کہ حضرت ابراہیم سے ماقبل اسلامی شریعتوں میں حج کا کوئی تصور نہ تھا' جو کہ غلط ہے۔لہذا یہ ثابت ہوا کہ حضرت ابراہیم سے پہلے مختلف انبیاء کے ہاں حج کا تصور اس بات کو ملتزم ہے کہ حضرت ابراہیم سے پہلے ایک قبلے کا وجود مانا جائے۔

۳۔حضرت ابراہیم جب حضرت اسماعیل اور ان کی والدہ حضرت ہاجرہ کو سرزمین مکہ میں آباد کرنے کے لیے وہاں چھوڑنے گئے تو اس وقت انھوں نے دعا مانگی۔جس کو قرآن نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

رَّبَّنَا إِنِّي أَسْكَنتُ مِن ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِندَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُم مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ ﴿٣٧﴾ (ابراہیم)

اے میرے پروردگار بے شک میں نے اپنی اولاد کو آباد کیا ایک ایسی سرزمین میں جو کہ کھیتی والی نہیں ہے تیرے حرمت والے گھر کے پاس۔

اس دعا کے الفاظ ''**عند بیتک المحرم**'' سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم کی اس دعا کے وقت بیت اللہ کی بنیادیں موجود تھیں۔لہذا ثابت ہوا کہ بیت اللہ حضرت ابراہیم سے پہلے بھی تعمیر ہو چکا تھا۔

۴۔اس قرآنی موقف کے شواہد بعض ضعیف روایات سے بھی ہمیں ملتے ہیں مثلا امام بیہقی حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ؓ سے مرفوعا نقل کرتے ہیں:

بعث اللّٰہ جبرئیل الی آدم و حواء فأمرھما ببناء الکعبۃ فبناہ آدم ثم أمر بالطواف بہ و قیل لہ أنت أول الناس و ھذا أول بیت وضع للناس (۹)

اللہ تعالی نے حضرت جبرئیل کو حضرت آدم وحوا کی طرف بھیجا اور ان کو بیت اللہ کی تعمیر کا حکم دیا حضرت آدم نے بیت اللہ کو تعمیر کیا پھر حضرت آدم کو بیت اللہ کا طواف کرنے کا حکم دیا اور حضرت آدم سے کہا گیا کہ تو پہلا آدمی ہے اور یہ پہلا گھر ہے جو کہ لوگوں کے لیے بنایا گیا ہے۔

۵۔علامہ ابن حجر نے بھی اسی رائے کو ایک روایت کی بیان پر بھی ترجیح دی ہے۔ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

و یؤید قول من قال :أن آدم ھو الذی أسس کلا من المسجدین فذکر ابن ھشام فی کتاب التیجان أن آدم لما بنی الکعبۃ أمرہ اللّٰہ بالسیر الی بیت المقدس و أن یبنیہ فبناہ و نسک فیہ و بناء آدم

للبيت مشهور و قد تقدم قريبا حديث عبد الله بن عمرو أن البيت رفع زمن الطوفان حتى بوّاه الله لابراهيم (١٠)

اوران لوگوں کے قول کی تائید' جو کہ یہ کہتے ہیں کہ حضرت آدم نے مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ دونوں کو تعمیر کیا' اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس کو ابن ہشام نے کتاب التیجان میں نقل کیا ہے کہ حضرت آدم نے جب بیت اللہ کو تعمیر کیا تو اللہ تعالی نے ان کو حکم دیا کہ وہ بیت المقدس کی طرف جائیں اور اس کی بنیاد رکھیں تو انھوں نے جا کر اس کو تعمیر کیا اور بیت اللہ کی جو تعمیر حضرت آدم کے ہاتھوں ہوئی وہ معروف ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو کی حدیث پہلے گزر چکی ہے کہ بیت اللہ کو طوفان نوح کے دوران اٹھالیا گیا تھا بعد میں اللہ تعالی نے اس کو حضرت ابراہیم کا ٹھکانہ بنایا۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بیت اللہ کی طرح مسجد اقصی کی بھی کئی دفعہ تعمیر ہوئی طبرانی کی ایک روایت کے الفاظ ہیں:

أن داؤد ابتدأ ببناء البيت المقدس ثم أوحى الله اليه انى لأقضى بناؤه على يد سليمان (١١)

حضرت داؤد نے بیت المقدس کی تعمیر کے لیے بنیادیں رکھیں پھر اللہ تعالی نے ان کی طرف وحی کی کہ میں مسجد اقصی کی تعمیر حضرت سلیمان کے ہاتھوں مکمل کرواؤں گا۔

اسی طرح نسائی کی ایک روایت ہے:

أن سليمان بن داؤد لما بنى بيت المقدس سأل الله عزو جل خلالا ثلاثه (١٢)

جب حضرت سلیمان نے بیت المقدس کی تعمیر مکمل کر لی تو اللہ تعالی سے تین باتوں کی دعا کی۔

ان روایات میں مسجد اقصی کی پہلی تعمیر کے علاوہ' جو کہ حضرت آدم نے کی تھی' ایک دوسری تعمیر کا بھی تذکرہ ہے کیونکہ حضرت ابراہیم اور حضرت سلیمان کے درمیان زمانی وقفہ ایک تاریخی روایت کے مطابق تین ہزار سال جبکہ دوسری روایت کے مطابق ڈیڑھ ہزار سال ہے۔

مسجد أقصیٰ کی تولیت مسلمانوں کا حق ہے

مسجد اُقصیٰ کی تولیت مسلمانوں کا شرعی حق ہے جس کے درج ذیل دلائل ہیں:

۱۔ مسجد اُقصیٰ کی تعمیر مسلمان انبیاء نے کی:

مسجد اُقصیٰ کی تعمیر مسلمان انبیاء کے ہاتھوں ہوئی۔ سب سے پہلے اسے حضرت آدم نے تعمیر کیا جو کہ مسلمان تھے اس کے بعد حضرت داؤد نے اس کی بنیاد رکھی پھر حضرت سلیمان علیہما السلام نے اس کو مکمل کیا۔ اس لیے اس مسجد پر اسی قوم کا حق ہے جو کہ مسلمان ہو۔ جب تک عیسائی اور یہودی مسلمان تھے اس وقت تک اس عبادت گاہ پر ان کا حق قائم تھا لیکن اللہ کے رسول وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کے بعد جو بھی یہودی اور عیسائی آپ پر ایمان نہیں لاتا وہ کافر ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيُرِيدُونَ أَن يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَيُرِيدُونَ أَن يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا ﴿١٥٠﴾ (النساء)

بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کا انکار کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان فرق کرنا چاہتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ہم بعض رسولوں پر ایمان لاتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں اور وہ اس کے درمیان کوئی راستہ تلاش کرنا چاہتے ہیں۔ یہی لوگ پکے کافر ہیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو بھی یہودی اور عیسائی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان نہ لے کر آئے وہ پکا کافر ہے۔ اور کافر مسلمانوں کی بنائی ہوئی عبادت گاہ کا کیسے وارث ہو سکتا ہے؟۔ یہ تو ایسے ہی ہے کہ اگر کسی مسلمان نے کوئی مسجد بنائی اور اس کی بعد میں آنے والی نسلوں میں سے کوئی یہودی ہو گیا تو کیا اب اس مسجد کو یہودیوں کی عبادت گاہ بنا کر اس یہودی کے کنٹرول میں دے دیا جائے گا؟۔ مسجد اقصیٰ پر اس وقت یہودیوں کا حق تھا جب تک وہ مسلمان تھے، آج بھی اگر وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لے آتے ہیں تو ہمارا ان سے کوئی جھگڑا نہیں ہے ہم مسجد اقصیٰ کی

تولیت ان کے سپرد کردیں گے۔لیکن اگر وہ اپنے نبی حضرت موسیٰ اور اپنے باپ حضرت ابراہیم کے دین سے بھی پھر جائیں تو کس بنیاد پر ان کو مسجد اقصیٰ کا وارث قرار دیا جائے؟۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَكِن كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿٦٧﴾ إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْرَاهِيمَ لَلَّذِينَ اتَّبَعُوهُ وَهَذَا النَّبِيُّ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٦٨﴾ (آل عمران:٦٧)

حضرت ابراہیم نہ تو یہودی تھے اور نہ عیسائی، لیکن وہ ایک یکسو مسلمان تھے اور مشرکین میں سے نہ تھے۔ بے شک حضرت ابراہیم کے ساتھ سب سے زیادہ تعلق ولایت رکھنے والے وہ لوگ ہیں جنھوں نے اس (کی قوم میں سے اس) کی پیروی کی اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور وہ لوگ جو (اس نبی پر) ایمان لائے اللہ تعالیٰ اہل ایمان کا والی ہے۔

حضرت ابراہیم کی طرح، حضرت موسیٰ اور حضرت سلیمان اور بنی اسرائیل کے تمام انبیاء کے اصل ورثا اور جانشین مسلمان ہیں نہ کہ یہود و نصاریٰ۔اگر حضرت سلیمان نے مسجد اقصیٰ کی تعمیر کی بھی تھی تو اس سے یہ کیسے لازم آتا ہے کہ اب یہ مسجد کافروں کی عبادت گاہ بن گئی ہے۔حضرت سلیمان کے دور میں موجود بنی اسرائیل مسلمان تھے لہذا اس بنیاد پر اس مسجد کے وارث بھی تھے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بغض اور کینہ رکھنے کے ساتھ ساتھ آپ پر ایمان نہ لانے کی وجہ سے آج کل کے یہودیوں کے کافر ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے بلکہ ان کے کفر پر امت کا اجماع ہے لہذا مسجد اقصیٰ جو کہ مسلمانوں کی عبادت گاہ ہے اس پر ایک کافر قوم کا حق کیسے جتایا جا سکتا ہے؟۔

بفرض محال اگر یہ بات مان بھی لی جائے کہ مسجد اقصیٰ پر یہود کا حق ہے تو ہم یہ کہتے ہیں کہ اہل کتاب میں سے جو بھی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کا انکاری ہو وہ حضرت موسیٰ اور تورات کا بھی

انکاری ہے کیونکہ دونوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد اور ان کی علامات کی خبر دی ہے۔لہذا ایسا یہودی جو کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہ ماننے کے ساتھ تورات اور حضرت موسیٰ کی بات بھی ماننے سے انکار کر دے وہ تو اپنے دین' اپنے نبی اور اپنی کتاب کا بھی انکاری ہے اور ایسا یہودی مسجد اقصیٰ کا وارث کیسے ہوسکتا ہے؟۔

۲۔تمام انبیاء کا قبلہ بیت اللہ تھا:

تمام انبیاء' بشمول انبیائے بنی اسرائیل' کا قبلہ بیت اللہ تھا۔اس لیے یہودیوں کا قبلہ بھی' ازروئے دین اسلام' شروع سے ہی' بیت اللہ ہے۔تمام انبیاء بیت اللہ کی طرف ہی رخ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے۔اور اسی کا حج کرتے تھے۔یہودیوں کا یہ دعوی ہے کہ ''ہیکل سلیمانی'' ان کا قبلہ ہے۔یہ ایک ایسا دعوی ہے کہ جس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ایک ہی وقت میں دو متوازی قبلوں کا وجود' خود مقصد قبلہ کے خلاف ہے۔حضرت ابراہیم نے جب بیت اللہ کی تعمیر مکمل کر لی تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے حج کی آواز لگائی۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَأَذِّن فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِن كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ ﴿٢٧﴾ (الحج)

اور (اے ابراہیم) لوگوں میں حج کا اعلان عام کر۔وہ تیرے پاس آئیں گے پیدل اور دبلے اونٹوں پر اور ہر دور کے راستے سے آئیں گے

اگر یہ مان لیا جائے کہ بیت اللہ کے بالمقابل فلسطین میں حضرت سلیمان نے ایک علیحدہ قبلہ بنایا تو درج ذیل سوالات پیدا ہوتے ہیں:

ا۔کیا قرآن کی آیت میں موجود الفاظ 'الناس' میں بنو اسرائیل داخل نہیں ہیں؟۔

۲۔اگر بنو اسرائیل کے آباء واجداد حضرت ابراہیم اور حضرت یعقوب کا قبلہ بیت اللہ ہی تھا تو ان کی بعد میں آنے والی نسلوں کا قبلہ تبدیل کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ اور اس کی کیا دلیل ہے کہ باپ (یعقوب) کا قبلہ بیت اللہ تھا اور بیٹوں (بنو اسرائیل) کا قبلہ بیت المقدس تھا۔کیا بنو

اسرائیل اپنے باپ حضرت یعقوب کے دین پر نہ تھے؟۔

۳۔ کیا تمام انبیاء کا دین، دینا اسلام نہیں ہے۔ کیا حضرت یعقوب نے اپنے بیٹوں کو یہ وصیت نہیں کی تھی **وَوَصَّىٰ بِهَا إِبْرَاهِيمُ بَنِيهِ وَيَعْقُوبُ يَا بَنِيَّ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ لَكُمُ الدِّينَ فَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ ﴿١٣٢﴾**۔ اگر تمام انبیاء کا دین ایک ہی ہے جیسا کہ قرآن وحدیث سے واضح ہوتا ہے تو پھر یہ کہنے کی کیا گنجائش رہ جاتی ہے کہ حضرت سلیمان سے پہلے انبیاء کی نماز، اور حج کے لیے قبلہ کی حیثیت بیت اللہ کو تھی جبکہ حضرت سلیمان کے بعد نماز اور حج کے لیے بیت المقدس کو بنیادی حیثیت حاصل تھی۔

۴۔ تقریبا تمام مناسک حج مقامات کے ساتھ خاص ہیں مثلا طواف، صفا اور مروہ کی سعی، مقام ابراہیم پر نفل پڑھنا، منی کا قیام، میدان عرفات اور مزدلفہ کا قیام وغیرہ۔ بیت المقدس کو اگر بنی اسرائیل کا قبلہ مان لیا جائے تو بیت المقدس کے حج کرنا کا کیا مطلب ہے دوسرے الفاظ میں بنو اسرائیل کا حج کیا تھا؟۔

۵۔ بنو اسماعیل کا حج تو زمانہ جاہلیت میں بھی کسی نہ کسی بگڑی ہوئی شکل میں موجود تھا لیکن کیا یہودی بھی آپ کے زمانے میں بیت المقدس کا حج کرتے تھے یا آج کرتے ہیں اگر نہیں، تو کیوں؟۔

۶۔ اگر بیت المقدس ہی قبلہ تھا تو یہود و نصاری میں پھر قبلے کی تعیین میں اختلاف کیوں ہوا۔ یہود حق پر تھے یا نصاری؟۔ اصل قبلہ قبۃ الصخرہ ہے یا بیت المقدس کا مشرقی حصہ؟۔

۷۔ اگر عمار صاحب یہ دعوی کرتے ہیں کہ یہود کا قبلہ صحیح ہے تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ خود یہود میں بھی تو اس قبلے کی تعیین میں اختلاف ہے کہ یہ صخرہ ہی ہے یا صخرہ کے قریب کوئی جگہ ہے۔ یہ کیسا قبلہ ہے کہ جس کے کے صحیح مقام کا آج تک تعین ہی نہ ہوسکا؟

۸۔ عمار صاحب کتاب مقدس کی کوئی ایک بھی واضح اور صریح نص پیش کر سکتے ہیں کہ جس میں یہ بیان ہوا ہو کہ اللہ تعالی نے بیت المقدس کو یہود کا قبلہ مقرر کیا تھا؟۔

۹۔ اگر عمار صاحب یہ دلیل بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالی نے **وَمَا أَنتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ** میں

اس بات کا اثبات کیا ہے کہ وہ یہود کا قبلہ ہے۔ تو ہم یہ کہتے ہیں پھر **مَا وَلَّاهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا** میں کس کے لیے قبلے کا اثبات ہے؟

۱۰۔ اللہ تعالی نے صرف یہود کے قبلے کا اثبات نہیں کیا بلکہ نصاری کے قبلے کا بھی اثبات کیا ہے ارشاد باری تعالی ہے: **وَ مَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ** ۔ تو کیا کل تین قبلے ہیں؟

۱۱۔ حقیقت یہ ہے کہ قبلہ ایک ہی ہے جو کہ بیت اللہ ہے' باقی رہا قرآن کا مسجد اقصی یا اس کے مشرقی حصہ کو قبلہ کہنا تو یہ اللہ تعالی نے یہود و نصاری کے اعتبار سے کہا ہے نہ کہ خود اپنی طرف سے ان کے لیے کسی علیحدہ قبلے کو مقرر کرنے کا اثبات کیا ہے جیسا کہ **لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ ﴿٦﴾** میں اللہ تعالی نے مشرکین مکہ کے لیے علیحدہ دین کا اثبات تو کیا ہے لیکن اس سے یہ کیسے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالی نے ان کے اس دین کو ان کے لیے مقرر کیا ہے اور پسند بھی کیا ہے؟

واقعہ یہ ہے کہ عمار صاحب ہیکل سلیمانی کو یہود کا قبلہ قرار دینے پر مصر ہیں اور اس کے لیے انھوں نے دلیل حضرت سلیمان علیہ السلام کی اس دعا کو بنایا ہے جو کہ بیت المقدس کے فیوض و برکات کے حوالے سے کتاب مقدس میں بیان ہوئی۔ بیت المقدس کی برکات وفضائل سے کس کو انکار ہو سکتا ہے لیکن کیا کسی مقام کی برکات وفضائل کا بیان اس کے قبلہ ہونے کی ایک کافی دلیل ہے؟۔ یہ کیسا قبلہ ہے کہ جس کے قبلہ ہونے کے بارے میں کوئی ایک بھی واضح نص قرآن وسنت تو کیا کتاب مقدس میں بھی موجود نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بیت المقدس کی حیثیت نہ تو حرم کی ہے اور نہ ہی یہ یہودیوں کا قبلہ رہا ہے بیت المقدس کو اپنا قبلہ قرار دینا یہودیوں کی اختراع ہے۔ ہجرت مدینہ کے بعد مسلمانوں کی آزمائش کے لیے ان کو وقتی طور پر بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا جس کا تذکرہ بہت ساری روایات میں ملتا ہے۔ اس حکم خداوندی کی رو سے بیت المقدس مسلمانوں کا قبلہ قرار پایا۔ اللہ تعالی کی طرف سے بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا جو حکم آپ ﷺ پر نازل ہوا تھا اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ پہلی مسلمان

امتوں کا قبلہ بیت المقدس تھا بلکہ اس کی اصل وجہ مسلمانوں کی آزمائش تھی جیسا کہ قرآن نے بیان کیا ہے۔ **وَ مَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَن يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّن يَنقَلِبُ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ وَإِن كَانَتْ لَكَبِيرَةً إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ (البقرۃ:۱۴۳)**

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس عارضی قبلے کو منسوخ قرار دے کر اصل قبلہ یعنی بیت اللہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم جاری فرمایا۔ اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ مَا أَنتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ (البقرۃ:۱۴۵)

اور اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ ان کے قبلے کی پیروی کرنے والے نہیں ہیں۔

قرآن مجید کی یہ نص اس بات کی واضح دلیل ہے کہ آپ کی بیت المقدس کی طرف رخ کے نماز پڑھنے کی وجہ یہودیوں کی اتباع نہیں تھی بلکہ آپ کو اللہ کی طرف سے یہ ایک حکم تھا۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

وانہ لا یتبع أھوائھم فی جمیع أحوالہ ولا کونہ متوجھا الی بیت المقدس لکونھا قبلۃ الیھود وانما ذلک عن أمر اللہ

آپ کسی بھی معاملے میں یہودیوں کی اتباع نہیں کرتے تھے اسی طرح آپ کا بیت المقدس کی طرف رخ کرنا اس وجہ سے نہیں تھا کہ یہ یہود کا قبلہ ہے بلکہ اس وجہ سے تھا کہ یہ اللہ کی طرف سے آپ کو حکم تھا۔ یہودیوں نے حضرت موسیٰ کی وفات کے بعد قبۃ الصخرہ کی طرف رخ کر نماز پڑھنے کا آغاز کیا جبکہ عیسائیوں میں قسطنطنیندی گریٹ (۲۷۲ء تا ۳۳۷ء) وہ پہلا عیسائی بادشاہ گزرا ہے جس نے بیت المقدس کی مشرقی جانب نماز پڑھنے کی بدعت کا آغاز کیا۔

ا۔ ابن تیمیہ لکھتا ہے:

قالوا وھو الذی ابتدع الصلوۃ الی الشرق والا لم یصل قط أحد من أنبیائھم واتباعھم الی الشرق ولم یشرع اللہ مکانا یصلی الیہ الا الکعبۃ والأنبیاء الخلیل ومن قبلہ انما کانوا یصلون الی الکعبۃ وموسی

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لم یکن یصلی الی البیت المقدس بل قالوا انہ کان ینصب قبۃ العھد الی العرب ویصلی الیھا فی التیہ ۔فلما فتح یوشع بیت المقدس بعد موت موسیٰ نصب القبۃ الی الصخرۃ فکانوا یصلون الیھا فلما خرب بیت المقدس و ذھبت القبۃ صارت الیھود یصلون الی الصخرۃ لأ نہ موضع القبۃ و السامرۃ یصلون الی جبل ھناک قالوا لأ نہ کان علیہ التابوت (۱۹)

ان کا کہنا ہے کہ مشرق کی طرف نماز پڑھنے کی بدعت کا آغاز قسطنطنین دی گریٹ نے کیا جبکہ نصاریٰ کے انبیاء اور ان کے متبعین میں سے کسی ایک نے بھی مشرق کی رخ کر کے نماز نہیں پڑھی اور اللہ تعالیٰ نے کعبہ کے علاوہ کسی مقام کو بھی شریعت اسلامیہ میں نماز کے لیے جہت نہیں بنایا حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور ان سے ماقبل کے تمام انبیاء کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے اور خود حضرت موسیٰ بھی بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز نہیں پڑھتے تھے بلکہ ان کا کہنا یہ ہے کہ حضرت موسیٰ خیمہ عھد کو عرب کی طرف رخ کر کے نصب کرتے تھے اور صحرا میں اس خیمہ کی طرف رخ کر نماز پڑھتے تھے جب حضرت یوشع بن نون نے بیت المقدس کو فتح کرلیا تو خیمہ کو صخرہ پر نصب کیا پس بنی اسرائیل خیمہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے لگے جب بیت المقدس ویران ہوا اور خیمہ بھی چھن گیا تو یہود صخرہ کی طرف رخ کر نماز پڑھنے لگے کیونکہ یہ خیمہ کی جگہ تھی اور سامرۃ (یہود سے علیحدہ ہونے والا ایک فرقہ) وہاں پر موجود ایک پہاڑ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے کیونکہ تابوت سکینہ اس پر موجود تھا۔

۲۔ابن قیم لکھتا ہے :

استقبال أھل الکتاب لقبلتھم لم یکن من جھۃ الوحی والتوقیف من اللہ بل کان عن مشورۃ منھم واجتھاد أما النصاریٰ فلا ریب أن اللہ لم یأمرھم فی الانجیل ولا فی غیرہ باستقبال المشرق أبدا وھم مقرون بذالک ومقرون أن قبلۃ المسیح کانت قبلۃ بنی اسرائیل وھی الصخرۃ وانما وضع لھم شیوخھم واسلافھم ھذہ القبلۃ وھم یعتذرون عنھم بأن المسیح فوض الیھم التحلیل والتحریم وشرع الأحکام وان ما حللوہ و حرموہ فقد حللہ ھو وحرمہ فی السماء فھم مع الیھود متفقون علی أن اللہ لم یشرع استقبال المشرق علی لسان

رسولہ أبدا والمسلمون شاھدون علیھم بذالک وأما قبلۃ الیھود فلیس فی التوراۃ الأمر باستقبال الصخرۃ البتۃ وانما کانوا ینصبون التابوت ویصلون الیہ من حیث خرجوا فاذا قدموا نصبوہ علی الصخرۃ و صلوا الیہ فلما رفع فصلوا الی موضعہ وھو الصخرۃ وأما السامرۃ فانھم یصلون الی طورھم بأرض الشام یعظمونہ ویحجون الیہ ورأیتہ أنا وھو فی بلد نابلس وناظرت فضلائھم فی استقبالہ وقلت ھو قبلۃ باطلۃ مبتدعۃ فقال مشار الیہ فی دینھم ھذہ ھی القبلۃ الصحیحۃ والیھود أخطأ وھا لأن اللہ تعالی أمر فی التوراۃ باستقبالہ عینا ثم ذکر نصا یزعمہ من التوراۃ فی استقبالہ فقلت ھذا خطأ قطعا علی التوراۃ لأنھا انما أنزلت علی بنی اسرائیل فھم المخاطبون بھا وأنتم فرع علیھم فیھا وانما تلقیتموھا عنھم وھذا النص لیس فی التوراۃ التی بأیدینا وأنا رأیتھا ولیس ھذا فیھا فقال لی صدقت انما ھو فی توراتنا خاصۃ (۲۰)

اہل کتاب کا اپنے قبلوں کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا یہ وحی سے یا اللہ کی طرف سے نہیں ہے بلکہ انھوں نے اپنا قبلہ آپس کے مشورے اور اجتہاد سے مقرر کیا جہاں تک نصاری کا معاملہ ہے تو اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اللہ تعالی نے انجیل یا اس کے علاوہ کسی کتاب میں ان کو کہیں بھی مشرق کی طرف رخ کر نماز پڑھنے کا حکم کبھی نہیں دیا اور وہ اس بات کا خود بھی قرار کرتے ہیں اور اس بات کا بھی اقرار کرتے ہیں کہ حضرت مسیح کا قبلہ وہی ہے جو کہ بنو اسرائیل کا قبلہ ہے اور وہ صخرہ ہے اور ان کے شیوخ اور بڑوں نے مشرق کو قبلہ مقرر کیا اور وہ اپنے ان کبار شیوخ کی طرف سے یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ حضرت مسیح نے ان کو تحلیل و تحریم اور تشریع احکام کا اختیار تفویض کیا تھا اور جس چیز کو انھوں نے حلال یا حرام قرار دیا اس کو حضرت مسیح نے بھی آسمانوں پر سے حلال یا حرام قرار دے دیا۔ وہ یہود سے اس بات پر اتفاق کرتے ہیں کہ اللہ تعالی نے اپنے کسی رسول کی زبانی مشرق کو قبلہ نہیں بنایا اور مسلمان بھی اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ اللہ تعالی نے مشرق کو قبلہ نہیں بنایا۔ جہاں تک یہود کے قبلے کا تعلق ہے تو یہ بات تو واضح ہے کہ تورات میں کہیں بھی صخرہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم نہیں بیان ہوا ہے اصل معاملہ یہ ہے کہ وہ جہاں سے بھی نکلتے تابوت کو نصب کرتے اور اس کی طرف رخ کر نماز پڑھتے تھے جب وہ بیت المقدس میں

آئے تو انھوں نے اس تابوت کو صخرہ پر نصب کیا اور اس کی طرف رخ کر نماز پڑھی پس جب توبوت کو اٹھا لیا گیا تو وہ صخرہ کی طرف رخ کے نماز پڑھنے لگے کیونکہ یہ تابوت کی جگہ تھی۔ جہاں تک سامرہ (یہودیوں سے علیحدہ ہونے والا ایک گروہ) کا تعلق ہے تو وہ ارض شام میں موجود ایک پہاڑ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے وہ اس کی تعظیم کرتے تھے اور اس کا قصد بھی کرتے تھے اور میں نے اس پہاڑ کو دیکھا ہے وہ شہر 'نابلس' میں ہے اور میں (یعنی ابن قیم) نے جب اس فرقے کے علماء سے بحث کی اور ان سے کہا کہ کہ تمہارا قبلہ باطل اور بدعت ہے تو انھوں نے کہا کہ ان کے دین میں اس قبلہ کے بارہ میں کہا گیا ہے کہ یہی صحیح قبلہ ہے اور یہودیوں نے قبلہ کے تعین میں خطا کھائی ہے اللہ تعالی نے تورات میں اسی پہاڑ کے استقبال کا حکم دیا ہے پھر ان میں سے ایک نے اس پہاڑ کے استقبال کے بارے میں ایک نص پیش کی جس کے بارے میں اس کا گمان یہ تھا کہ یہ تورات کی آیت ہے تو میں نے کہا یہ کہنا تورات کے بارے میں قطعی خطا ہے کیونکہ تورات بنو اسرائیل پر نازل ہوئی اور وہ اس کے اول مخاطبین ہیں اور تم ان کی ایک فرع ہو اور تم نے تورات ان سے حاصل کی ہے اور یہ نص جو کہ تم پیش کر رہے ہو اس تورات میں نہیں ہے جو کہ بنو اسرائیل کے پاس ہے اور میں نے اس تورات کو دیکھا ہے اور اس میں یہ نص موجود نہیں ہے تو وہ (سامری عالم) مجھے کہنے لگا تم ٹھیک کہہ رہے ہو یہ نص ہماری خاص تورات میں ہے۔

الف) اس رائے کی تائید میں چند ایک قرآنی دلائل درج ذیل ہیں۔

بنی اسرائیل کی غلامی کے زمانے میں' جبکہ وہ ابھی تک قوم فرعون کے ظلم سے آزاد نہ ہوئے' اللہ تعالی نے ان کو یہ حکم دیا تھا:

وَاجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ قِبْلَةً وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ (یونس:۸۷)

اور اپنے گھروں کو قبلہ رخ بناؤ اور نماز قائم کرو۔

یہاں بنی اسرائیل کو کس قبلے کی طرف رخ کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے؟ کیا بیت المقدس کی طرف؟

کہ جس کی بنیاد بقول عمار صاحب کے سینکڑوں سال بعد حضرت سلیمان کے دور میں رکھی جانی تھی۔ یہ آیت مبارکہ اس مسئلے میں نص قطعی کا درجہ رکھتی ہے کہ بنی اسرائیل کو بھی اپنی نمازوں میں جس قبلہ کی طرف رخ کرنے کا حکم دیا گیا تھا وہ بیت اللہ ہی ہے' کیونکہ اس آیت میں قبلہ کا لفظ مطلقاً استعمال کیا گیا ہے یعنی مراد وہ قبلہ ہے جو کہ اس وقت اور اس سے ماقبل کی اقوام میں بطور قبلہ معروف تھا اور وہ سب کے نزدیک بیت اللہ ہی ہے۔ امام طبری رحمہ اللہ اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں صحابہ و تابعین کے اقوال نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

عن مجاهد قال قال ابن عباس فی قوله تعالی وَاجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ قِبْلَةً يقول وجهوا بيوتكم مساجدكم نحو القبلة ألا ترى أنه يقول فی بيوت أذن الله أن ترفع

حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ ابن عباس ؓ نے **وَاجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ قِبْلَةً** کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں: اپنے گھروں یعنی مساجد کو قبلہ رخ بناؤ۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں فِي بُيُوتٍ أَذِنَ اللَّهُ أَن تُرْفَعَ (اس آیت مبارکہ میں مساجد کے لیے ''بیوت'' کا لفظ استعمال ہوا ہے)۔

عن سعيد ابن جبير عن ابن عباس وَاجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ قِبْلَةً يعنی الكعبة

حضرت سعید بن جبیر سے روایت ہے وہ حضرت عبد اللہ بن عباس سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے **وَاجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ قِبْلَةً** کی تفسیر میں فرمایا کہ قبلہ سے مراد ''کعبۃ'' ہے۔

عن مجاهد بيوتكم قبلة قال نحو الكعبة حين خاف موسى و من معه من فرعون أن يصلوا فی الكنائس الجامعة فأمروا أن يجعلوا فی بيوتهم مستقبلة الكعبة يصلون فيها سرا

حضرت مجاہد سے روایت ہے وہ فرمات ہیں کہ **وَاجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ قِبْلَةً** سے مراد ہے کہ

اپنے گھروں کو کعبہ کے رخ بناؤ۔ جب موسیٰ اور ان کے ساتھ ایمان لانے والوں نے اپنی عبادگاہوں میں اکھٹے ہوکر نماز پڑھنے میں فرعون سے خوف محسوس کیا تو انھیں یہ حکم دیا گیا کہ وہ اپنے گھروں کو کعبہ کے رخ بنالیں اور ان میں چھپ کے نماز پڑھیں۔

اسی طرح ارشاد باری تعالی ہے:

وَلَئِنْ أَتَيْتَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ بِكُلِّ آيَةٍ مَّا تَبِعُوا قِبْلَتَكَ وَمَا أَنتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ وَمَا بَعْضُهُم بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُم مِّن بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ إِنَّكَ إِذًا لَّمِنَ الظَّالِمِينَ ﴿۱۴۵﴾ (البقرة ۱۴۵)

اور اگر آپ ان اہل کتاب کے پاس ہر قسم کی نشانی ہی کیوں نہ لے آئیں وہ آپ کے قبلے کی پیروی ہرگز نہ کریں گے اور نہ آپ ان کے قبلے کی پیروی کرنے والے ہیں اور ان میں بعض، ان کے بعض کے قبلے کی پیروی کرنے والا نہیں ہے اور اگر آپ نے ان کی خواہشات کی پیروی کی اس کے بعد کہ آپ کے پاس علم آ گیا تو تب آپ ظالموں میں سے ہوجائیں گے۔

اس آیت مبارکہ کے انداز خطاب سے معلوم ہورہا ہے کہ اہل کتاب سے بھی اللہ تعالی کا یہ مطالبہ ہے کہ وہ بیت اللہ کو اپنا قبلہ بنائیں جو کہ تمام انبیاء کا قبلہ رہا ہے لیکن اہل کتاب کی ضد اور اسلام دشمنی کے بارے میں خبر دیتے ہوئے اللہ تعالی اپنے نبی محمد ﷺ سے کہہ رہے ہیں **وَلَئِنْ أَتَيْتَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ بِكُلِّ آيَةٍ مَّا تَبِعُوا قِبْلَتَكَ** کہ اگر آپ ان اہل کتاب کے پاس ہر قسم کی نشانی لے آئیں کہ جس سے یہ ثابت ہوتا کہ بیت اللہ ہی اصل قبلہ ہے، اہل کتاب کا بھی اور مسلمانوں کا بھی، تو پھر بھی یہ آپ کے قبلہ کی پیروی نہ کریں گے۔

''**و ما أنت بتابع قبلتهم**'' میں '**قبلتهم**' سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اللہ تعالی نے بیت المقدس کو ان کا قبلہ بنایا ہے اس کی دلیل آیت کا یہ اگلا ٹکڑا ہے **وَمَا بَعْضُهُم بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ** کیونکہ اس بات پر تو اجماع ہے کہ اللہ تعالی نے تین قبلے نہیں بنائے جبکہ آیت

مبارکہ میں اللہ تعالی نے تین قبلوں کا تذکرہ کیا ہے۔ایک مسلمانوں کا قبلہ کہ جسے اللہ تعالی نے ان کے لیے قبلہ مقرر کیا ہے جیسا کہ اسی آیت مبارکہ کے سیاق و سباق سے واضح ہوتا ہے۔ دوسرا عیسائیوں اور تیسرا یہودیوں کا قبلہ ہے کہ جنھوں نے اپنی خواہش اور آزاد مرضی سے بیت المقدس کی مشرقی جانب اور قبۃ الصخرہ کو قبلہ بنالیا تھا۔ امام ابن جریر طبری اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

و ما لک یا محمد سبیل اتباع قبلتھم و ذلک أن الیھود تستقبل بیت المقدس لصلاتھا و أن النصاری تستقبل المشرق فأنی یکون لک السبیل الی اتباع قبلتھم مع اختلاف وجوھھا

اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے لیے ان کے قبلے کی پیروی کرنا جائز نہیں ہے اور یہ اس وجہ سے کہ یہود اپنی نماز میں بیت المقدس کی طرف جبکہ نصاری اس کے مشرقی حصے کی طرف رخ کرتے ہیں۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کیسے ان کے قبلے کی پیروی کریں گے جبکہ خود ان میں آپس میں قبلے کے تعین میں اختلاف ہے۔

اسی طرح ارشاد باری تعالی ہے:

الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ (البقرة: ۱۴۶)

جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی (یعنی اہل کتاب) وہ اس (یعنی بیت اللہ کے قبلہ ہونے) اس طرح پہچانتے ہیں جیسا کہ وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔

امام ابن جریر طبری اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعرف ھؤلاء الأحبار من الیھود والعلماء من النصاری أن البیت الحرام قبلتھم و قبلۃ ابراھیم و قبلۃ الأنبیاء قبلک کما یعرفون أبنائھم

یہود ونصاری کے علماء یہ جانتے ہیں کہ مسجد حرام ان کا قبلہ ہے اور یہی حضرت ابراہیم اور آپ سے پہلے تمام انبیاء کا قبلہ تھا جیسا کہ وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔

اس آیت مبارکہ میں بعض مفسرین نے 'یعرفونہ' کی 'ہ' ضمیر کو اللہ کے رسول ﷺ کی طرف لوٹایا ہے لیکن 'ہ' ضمیر کو اللہ کے رسول ﷺ کی طرف لوٹانا قرآن کے سیاق وسباق کے خلاف ہے۔

اسی طرح ارشاد باری تعالی ہے:

وَإِنَّ فَرِيقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿١٤٦﴾ (البقرة: ١٤٦)

اور ان میں ایک گروہ ایسا ہے کہ وہ حق بات (یعنی بیت اللہ ہی کے اصل قبلہ ہونے) کو جانتے بوجھتے چھپا رہے ہیں۔

امام ابن جریر طبری **وَإِنَّ فَرِيقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿١٤٦﴾** کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

و ذلک الحق هو القبلة التی أو جه اللّٰہ عزو جل الیها نبیه محمدا ﷺ یقول فول و جهک شطر المسجد الحرام التی کانت الأنبیاء من قبل محمد یتو جهون الیها فکتمها الیهود و النصاری فتوجه بعضهم شرقا و بعضهم نحو بیت المقدس و رفضوا ما أمرهم اللّٰہ به

'الحق' سے مراد قبلہ ہے جس کی طرف رخ کرنے کا حکم اللہ تعالی نے اپنے نبی کو دیا ہے اللہ تعالی اپنے نبی ﷺ کو حکم دے رہے ہیں کہ آپ مسجد حرام کی طرف اپنا رخ پھیر لیں جس کی طرف آپ سے پہلے تمام انبیاء رخ کرتے تھے پس یہود ونصاری نے اصل قبلے (یعنی بیت اللہ) کو چھپا لیا اور کسی نے مشرق کی طرف رخ کیا اور کسی نے بیت المقدس کو اپنا قبلہ بنایا اور انھوں نے اس کا انکار کیا جس کا اللہ تعالی نے ان کو حکم دیا تھا۔

اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:

الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ﴿١٤٧﴾ (البقرة:۱۴۷)

یہ (یعنی بیت اللہ کا قبلہ ہونا) حق ہے آپ کے رب کی طرف سے، پس آپ (بیت اللہ کے ہی قبلہ ہونے میں) شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جائیں۔

امام ابن جریر طبری اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

أی فلا تکونن من الشاکین فی أن القبلة التی وجهتک نحوها قبلة ابراهیم خلیلی علیه السلام و قبلة الأنبیاء غیره

اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ اس بارے میں بالکل بھی شک میں مبتلا نہ ہوں کہ جس قبلہ کی طرف ہم نے آپ کا رخ کیا ہے وہی حضرت ابراہیم اور ان کے علاوہ تمام انبیاء کا قبلہ ہے۔

اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلِكُلٍّ وِجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ (البقرة:۱۴۸)

اور ہر ایک کے لیے ایک سمت ہے وہ اس کی طرف اپنے آپ کو پھیرنے والا ہے پس تم (اے مسلمانو) نیکیوں میں سبقت لے جاؤ۔

امام طبری اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

أی قد بینت لکن أیها المؤمنون الحق و هدیتکم القبلة التی ضلت عنها الیهود و النصاری و سائر الملل غیرکم فبادروا بالأعمال الصالحة شکرا لربکم

اے اہل ایمان میں نے تمہارے لیے حق بات کو واضح کر دیا تھا اور اس قبلے کی طرف تمہاری رہنمائی کی ہے کہ جس قبلے سے یہود و نصاریٰ اور تمہارے علاوہ تمام مذاہب بھٹک گئے تھے پس تم اس پر اللہ کا شکر ادا کرنے کے لیے نیکی کے کاموں میں جلدی کرو۔

دوسری دلیل

ب)۔ بعض ایسی روایات بھی ملتی ہیں کہ جن سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ بیت المقدس یہود کا قبلہ نہیں ہے بلکہ ان کا قبلہ بھی بیت اللہ ہی تھا۔

حضرت مجاہد فرماتے ہیں:

کنا عند ابن عباس فذکروا الدجال أنه قال مکتوب بین عینیه کافر فقال ابن عباس لم أسمعه و لکنه قال أما موسی کأنی أنظر الیه اذا انحدر فی الوادی یلبی

ہم ابن عباس کے پاس تھے کہ لوگوں نے دجال کو تذکرہ کیا کہ آپ نے اس کے بارے میں کہا ہے کہ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان کافر لکھا ہوگا تو ابن عباس نے کہا میں یہ بات اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نہیں سنی بلکہ میں نے آپ سے سنا ہے آپ کہہ رہے تھے جہاں تک حضرت موسیٰ کا معاملہ ہے تو گویا کہ میں ان کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ وادی میں تلبیہ کہتے ہوئے اتر رہے ہیں۔

یہ حدیث اس بات کی واضح دلیل ہے کہ انبیائے بنی اسرائیل بھی حج کرنے کے لیے بیت اللہ کا ہی قصد کرتے تھے۔ علامہ ابن حجر اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

و فی الحدیث أن التلبیة فی بطون الأودیة من سنن المرسلین

اور اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ وادیوں کے درمیان میں تلبیہ کہنا رسولوں کی سنت ہے۔

ایک دوسری روایت میں حضرت یونس بن متی کا بھی تذکرہ ہے۔ حضرت ابن عباس سے روایت ہے:

عن ابن عباس أن رسول اللّٰه مروا بوادی الأزرق فقال أی وا د هذا قالوا هذا وادی الأزرق فقال کأنی أنظر الی موسی و هو هابط من الثنیة وله جؤار الی اللّٰه عزوجل بالتلبیة حتی أتی علی ثنیة هرشاء فقال أی ثنیة هذا قالوا ثنیة هرشاء قال کأنی أنظر

الی یونس بن متی علی ناقة حمراء جعدة علیه جبة من صوف خطام ناقتہ خلبة قال هشيم یعنی لیف و هو یلبی

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کا گزر وادی اُزرق سے ہوا تو آپ نے سوال کیا کہ یہ کون سی وادی ہے صحابہ نے کہا یہ وادی اُزرق ہے اس پر آپ نے فرمایا گویا کہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو گھاٹی سے اترتے ہوئے دیکھ رہا ہوں اور وہ بلند آواز سے تلبیہ کہ رہے ہیں پھر آپ ہرشاء کی گھاٹی پر آئے اور آپ نے پوچھا یہ کون سی گھاٹی ہے صحابہ نے کہا یہ ہرشاء کی گھاٹی ہے تو آپ نے فرمایا گویا کہ میں یونس بن متی کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ ایک سرخ موٹی تازی مضبوط گوشت والی اونٹنی پر سوار ہیں اور انھوں نے اون کا ایک جبہ پہن رکھا ہے' ان کی اونٹنی کی لگام کھجور کے درخت کی چھال کی ہے اور وہ تلبیہ کہ رہے ہیں۔

اس روایت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ تمام انبیاء بیت اللہ کا حج کرتے تھے۔ عمار صاحب بنو اسرائیل کے کسی ایک نبی کے بارے میں یہ ثابت کر دیں کہ اس نے بیت المقدس کا حج کیا ہو۔

اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ' کہ جن پر تورات نازل ہوئی' ان کا قبلہ بیت اللہ تھا۔ اگر عمار صاحب یہ کہتے ہیں کہ حضرت سلیمان کے دور میں بنو اسرائیل کا قبلہ تبدیل ہو گیا تھا تو اس کی کیا دلیل ہے کہ پہلے ان کا قبلہ بھی وہی تھا جو کہ تمام انبیاء کا تھا پھر حضرت سلیمان کے دور میں ان کا قبلہ بیت المقدس قرار پایا؟ اُمر واقعہ یہ ہے کہ یہود نے اپنے اصل قبلہ' جو کہ حضرت موسیٰ کے زمانہ سے چلا آ رہا تھا' سے انحراف کرتے ہوئے اپنے مشورے اور اجتہاد سے بیت المقدس کو قبلہ مقرر کر لیا تھا جیسا کہ امام طبری' ابن تیمیہ اور ابن قیم نے اس حقیت کو واضح کیا ہے۔

اسی طرح بعض صحیح احادیث میں بیت المقدس میں نماز پڑھنے کی فضیلت ایک عام مسجد میں نماز پڑھنے سے زیادہ بیان کی گئی ہے اگر بیت المقدس یہودیوں کا قبلہ اور عبادت گاہ ہے تو وہاں نماز پڑھنے کی کیا تک بنتی ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کا آخری طرز عمل یہ تھا کہ آپ چھوٹے چھوٹے معاملات میں بھی یہودیوں کی مخالفت کرتے تھے چہ جائیکہ آپ مسلمانوں کو ان کے قبلے اور

عبادت گاہ میں جا کر نماز پڑھنے کی ترغیب دلائیں۔

تیسری دلیل

ج)۔ بعض تابعین اور تبع تابعین کی آراء سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ قرون ثلاثہ میں یہ رائے بہت عام تھی کہ تمام انبیاء کا قبلہ بیت اللہ ہی رہا ہے اور بیت المقدس کو قبلہ قرار دینا یہودیوں کی ایک اختراع تھی اور یہودیوں کی اسی اختراع کو اللہ تعالی نے مسلمانوں کے لیے آزمائش بناتے ہوئے بیت المقدس کو کچھ عرصہ کے لیے ان کا عارضی قبلہ قرار دیا۔ ان میں سے چند ایک اقوال یہ ہیں:

عن السدی:" یعرفونه کما یعرفون أبنائهم "یعرفون الکعبة أنها هی قبلة الأنبیاء کما یعرفون أبنائهم وروی عن قتادة و الربیع بن أنس و الضحاک نحو ذلک

حضرت سدی سے روایت ہے کہ ''**یعرفون کما یعرفون ابنائھم**'' سے مراد یہ ہے کہ وہ یہ بات' کہ کعبہ ہی تمام انبیاء کا قبلہ ہے' اس طرح جانتے ہیں جس طرح کہ وہ اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں۔ قتادہ' ضحاک اور ربیع بن اُنس رحمہم اللہ سے بھی اسی قسم کا مفہوم مروی ہے۔

عن الربیع قوله تعالی الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ عرفوا قبلة البیت الحرام هی قبلتهم التی أمروا بها کما عرفوا أبنائهم

حضرت ربیع سے روایت ہے کہ آیت مبارکہ **الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ** سے مراد ہے کہ وہ جانتے ہیں کہ مسجد حرام ہی وہ قبلہ ہے جس کے استقبال کا ان کو حکم دیا گیا ہے جیسا کہ وہ اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں۔

عن الربیع الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ﴿١٤٧﴾ یقول فلا تکونن فی شک من ذلک فانها قبلتک و قبلة الأنبیاء قبلک

حضرت ربیع سے مروی ہے وہ **الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ﴿١٤٧﴾**

کے بارے میں کہتے ہیں اس سے مراد یہ ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپؐ اس بارے میں کسی قسم کے شک وشبہ میں مبتلا نہ ہوں کہ کعبہ ہی آپؐ کا بھی اور آپؐ سے پہلے انبیاء کا بھی قبلہ تھا۔

عن أبی العالیہ قال : قال اللّٰہ لنبیہ الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ﴿١٤٧﴾ فیقول لا تکون فی شک یا محمد ان الکعبة هی قبلتک و کانت قبلة الأنبیاء قبلک

حضرت اُبو العالیہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالی نے اپنے نبی سے کہا ہے اَلْحَقُّ مِن رَّبِّکَ فَلَا تَکُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِینَ ١٤٧ اللہ تعالی فرماتا ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ اس بارے میں کسی قسم کے شک میں مبتلا نہ ہوں کہ کعبہ ہی آپ کا بھی قبلہ ہے اور آپ سے پہلے تمام انبیاء کا بھی قبلہ تھا۔

عن أبی العالیة وَلِكُلٍّ وِجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا قال للیهود وجهة هو مولیها و للنصرانی وجهة هو مولیها و هداکم اللّٰہ أنتم ایتها الأمة القبلة التی هی القبلة و روی عن مجاهد أحد قولیه و الضحاک و عطاء و السدی و الربیع نحو ذلک

حضرت ابو العالیہ **وَلِكُلٍّ وِجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا** کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہود کے لیے ایک جہت ہے جس کی طرف وہ رخ کرتے ہیں اسی طرح عیسائیوں کے لیے ایک جہت ہے جس کی طرف وہ رخ کرتے ہیں اور اے امت مسلمہ اللہ تعالی نے تمہاری اس قبلے کی طرف رہنمائی کی ہے جو کہ اصل قبلہ ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں امام مجاہد کے دو قوال میں سے ایک قول یہی ہے اس کے علاوہ ضحاک، عطاء، سدی اور ربیع رحمہم اللہ سے بھی اس قسم کا قول نقل کیا گیا ہے۔

چوتھی دلیل

د)۔ دلیل استصحاب سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہود کا اصل قبلہ بیت اللہ ہی ہے۔ ڈاکٹر وہبہ الزحیلی استصحاب کے تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وعند الأصولیین هو: الحکم بثبوت أمر أو نفیه فی الزمان الحاضر

أو المستقبل' بناء علی ثبوته أو عدمه فی الزمان الماضی' لعدم قیام الدلیل علی تغییره

اُصولیین کے نزدیک' زمانہ حال یا مستقبل میں' کسی حکم کے ثبوت یا عدم ثبوت کی بنیاد' ماضی میں اس حکم کے ثبوت یا عدم ثبوت پر رکھنا' جبکہ اس حکم کے تبدیل ہونے کی کوئی دلیل نہ ہو' استصحاب کہلاتا ہے۔

قرآنی نصوص' احادیث صحیحہ اور اجماع امت سے یہ بات ثابت ہے کہ حضرت ابراہیم اور ان کی اولاد بنو اسرائیل اور بنو اسماعیل کا قبلہ بیت اللہ تھا۔ اب اگر کوئی شخص اس بات کا دعوی کرتا ہے کہ حضرت سلیمان کے زمانے میں بیت اللہ کو منسوخ کر کے بیت المقدس کو بنو اسرائیل کا قبلہ مقرر کیا گیا تو اس پر واجب ہے کہ وہ اس بات کی دلیل پیش کرے کہ بیت اللہ کو بنو اسرائیل کے لیے بطور قبلہ منسوخ کر دیا گیا ہے۔ کیا اسرائیلیات (کتاب مقدس) میں اس نسخ کی کوئی دلیل ہے؟۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ بیت المقدس مسلمانوں کا تو عارضی طور پر قبلہ مقرر کیا گیا لیکن یہ یہود کا قبلہ کبھی بھی نہیں رہا۔ قرآن وحدیث تو کیا اسرائیلیات (کتاب مقدس) میں بھی کوئی ایک بھی ایسی نص نہیں ہے کہ جس سے یہ واضح ہوتا ہو کہ اللہ تعالی نے یہود کے لیے بیت المقدس کو قبلہ مقرر کیا تھا۔ بلکہ قرآنی آیات' بہت ساری روایت' تاریخی حقائق اور ائمہ سلف کی آراء اس مؤقف کی تائید کرتی نظر آتی ہیں کہ یہود کا قبلہ بیت اللہ ہی تھا۔ جب یہ ثابت ہوا کہ بیت المقدس نہ تو یہود کی عبادت گاہ ہے اور نہ ہی یہ ان کا قبلہ ہے' تو یہ دعوی بھی باطل ہے کہ بیت المقدس پر یہودیوں کا حق ہے۔ بلکہ حق بات تو یہ ہے کہ بیت المقدس وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنتَ عَلَيْهَا کے مطابق مسلمانوں کی عبادت گاہ اور سابقہ قبلہ ہے اسی لیے وہی اس کی تولیت کا بھی شرعی حق رکھتے ہیں۔

دوسروں کے مؤقف میں شکوک وشبہات پیدا کرنا اور اپنے مؤقف کے اثبات کے لیے ایک دلیل

بھی پیش نہ کرسکنا' اگر اہل فن کے ہاں تحقیق اسی کو کہتے ہیں تو واقعتا عمار صاحب کا مضمون ایک تحقیقی مقالہ ہے' کیونکہ عمار صاحب نے اپنے پورے مضمون میں یہی کام کیا ہے۔ میں نے عمار صاحب کے مضمون کا کئی دفعہ بغور مطالعہ کیا لیکن اس طویل مضمون میں مجھے سوائے حضرت سلیمان کی دعا کے کوئی اور عبارت ایسی نظر نہیں آئی کہ جسے عمار صاحب نے بیت المقدس کو یہود کا قبلہ ثابت کرنے کے لیے پیش کیا ہو۔ عمار صاحب سے گزارش ہے کہ انھوں نے علماء کے مؤقف کا رد تو بہت اچھا کر دیا ہے اب ذرا اپنے مؤقف کو ثابت کرنے کے لیے بھی کوئی دلیل پیش کریں۔ دوسروں کے مؤقف کا رد کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ کا مؤقف ثابت ہو گیا ہے۔

۱)۔سنن نسائی' کتاب المساجد' باب ذکر أی مسجد وضع أولا
۲)۔صحیح بخاری' کتاب الجمعۃ' باب فضل الصلاۃ فی مسجد مکۃ والمدینۃ
۳)۔فتح الباری مع صحیح بخاری' کتاب أحادیث الأنبیاء' باب قول اللہ تعالی واتخذ اللہ ابراہیم خلیلا
۴)۔سنن نسائی' کتاب المساجد' باب فضل المسجد الأقصی والصلاۃ فیہ
۵)۔أیضا
۶)۔سنن أبی داؤد' کتاب المناسک' باب فی المواقیت
۷)۔سنن أبی داؤد' کتاب الأیمان والنذور' باب من نذر أن یصلی فی بیت المقدس
۸)۔أیضا
۹)۔دلائل النبوۃ' امام بیہقی' جلد ۲' ص ۴۵ ورواہ ابن کثیر فی تفسیرہ واللفظ لہ
۱۰)۔صحیح بخاری مع فتح الباری' کتاب أحادیث الأنبیاء' باب قول اللہ تعالی واتخذ اللہ ابراہیم خلیلا
۱۱)۔فتح الباری مع صحیح بخاری' کتاب أحادیث الأنبیاء' باب قول اللہ تعالی واتخذ اللہ ابراہیم خلیلا
۱۲)۔سنن نسائی' کتاب المساجد' باب فضل المسجد الأقصی والصلاۃ فیہ
۱۳)۔ماہنامہ اشراق: جولائی ۲۰۰۳' ص ۳۶

۱۴)۔زاد المعاذ ابن قیم، ص ۹
۱۵)۔قصص النبیین، ابن کثیر، جلد ۱، ص ۱۶۶
۱۶)۔ماہنامہ اشراق: جولائی ۲۰۰۳، ص ۳۶
۱۷)۔۔ماہنامہ اشراق: جولائی ۲۰۰۳، ص ۴۱
۱۸)۔ماہنامہ الشریعۃ: اکتوبر ۲۰۰۶، ص ۲۵
۱۹)۔الرد علی المنطقیین، ابن تیمیہ، ص ۲۸۹و۲۹۰
۲۰)۔بدائع الفوائد، ابن قیم، جلد ۴، ص ۱۷۱
۲۱)۔صحیح بخاری، کتاب الحج، باب التلبیۃ اذا انحدر فی الوادی
۲۲)۔صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الاسراء برسول اللہ الی السموات ورواہ الامام احمد فی مسندہ و اللفظ لہ
۲۳)۔اصول الفقہ الاسلامی، الدکتور وھبہ الزحیلی، جلد ۱، ص ۸۵۹

❁❁❁❁❁❁❁

لھولھان

قبلہ اول مسجد اقصیٰ

منتظر ھے کسی صلاح الدین ایوبی کی

آزاد ہو یہ ارض مقدس

بھی جلد تر

مسجد اقصیٰ کی مختصر تاریخ

مسجد اقصیٰ کی مختصر تاریخ

مصریوں کی غلامی سے رہائی کے بعد جب صحراے سینا میں بنی اسرائیل کو سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے سے باقاعدہ شریعت عطا کی گئی تو ساتھ ہی حضرت موسیٰ کو یہ ہدایت بھی کردی گئی کہ وہ بدنی اور مالی عبادت کی مختلف رسوم ادا کرنے کے لیے خیمے کی شکل میں بنی اسرائیل کے لیے ایک عبادت گاہ بنائیں۔ اس خیمے کی بناوٹ، اس کے ساز و سامان اور اس میں ادا کی جانے والی رسوم کی پوری تفصیل خود اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو سمجھائی۔ ۱ تورات میں اس خیمے کا ذکر، خیمہ اجتماع مقدس، مسکن اور شہادت کا خیمہ کے مختلف ناموں سے کیا گیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ حکم بھی دیا گیا کہ وہ خاص وضع کا ایک صندوق بنا کر اس میں تورات کی الواح کو محفوظ کریں اور اسے خیمہ اجتماع میں ایک مخصوص مقام پر مستقل طور پر رکھ دیں ۲۔ تورات میں اس کو عہد کا صندوق کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ یہ ایک متحرک اور قابل انتقال (Mobile) عبادت گاہ تھی جس کا حکم صحراے سینا میں بنی اسرائیل کے عارضی قیام اور مسلسل نقل مکانی کے پیش نظر دیا گیا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ تورات میں بنی اسرائیل کو یہ حکم بھی دے دیا گیا کہ جب وہ بیت المقدس کو فتح کرلیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ جگہ پر عبادت گاہ تعمیر کر کے قربانی، نذر اور دیگر شرعی رسوم وہیں ادا کیا کریں۔ استثنا میں ہے:

جب تم یردن پار جا کر اس ملک میں جس کا مالک خداوند تمہارا خدا تم کو بناتا ہے، بس جاؤ اور وہ تمہارے سب دشمنوں کی طرف سے جو گرداگرد ہیں، تم کو راحت دے اور تم امن سے رہنے لگو تو وہاں جس جگہ کو خداوند تمہارا خدا اپنے نام کے مسکن کے لیے چن لے، وہیں تم یہ سب کچھ جس کا میں تم کو حکم دیتا ہوں، لے جایا کرنا یعنی اپنی سوختنی قربانیاں اور اپنے ذبیحے اور اپنی دہ یکیاں اور اپنے ہاتھ کے اٹھائے ہوئے ہدیے اور اپنی خاص نذر کی چیزیں جن کی منت تم نے خداوند کے لیے مانی ہو۔ اور وہیں تم اور تمہارے بیٹے بیٹیاں اور تمہارے نوکر چاکر اور لونڈیاں

اور وہ لاوی بھی جو تمہارے پھاٹکوں کے اندر رہتا ہو اور جس کا کوئی حصہ یا میراث تمہارے ساتھ نہیں، سب کے سب مل کر خداوند اپنے خدا کے حضور خوشی منانا۔ اور تو خبردار رہنا تا ایسا نہ ہو کہ جس جگہ کو دیکھ لے، وہیں اپنی سوختنی قربانی چڑھائے بلکہ فقط اسی جگہ جسے خداوند تیرے کسی قبیلے میں چن لے، تو اپنی سوختنی قربانیاں گزراننا اور وہیں سب کچھ جس کا میں تجھ کو حکم دیتا ہوں، کرنا۔ (استثنا ۱۲: ۱۰-۱٤)

۱٤۵۰ ق م میں حضرت یوشع بن نون کی قیادت میں بنی اسرائیل نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق بیت المقدس کو فتح کیا۔ اس کے بعد تقریباً چار صدیوں تک بنی اسرائیل علاقے میں پہلے سے آباد مختلف نسلی گروہوں کے ساتھ لڑنے اور انھیں مغلوب کرنے کی جدوجہد میں مصروف رہے۔ اس عرصے میں چونکہ سرزمین فلسطین پر بنی اسرائیل کے قبضے اور ان کے سیاسی اقتدار کو استحکام حاصل نہیں تھا، اس لیے مرکز عبادت کی حیثیت اسی خیمہ اجتماع کو حاصل رہی۔ چار صدیوں کی مسلسل جدوجہد کے بعد آخر سیدنا داؤد علیہ السلام کے زمانے میں بنی اسرائیل ان کی قیادت میں ان مقامی گروہوں کو بڑی حد تک کچلنے اور ایک مستحکم سلطنت کی بنیاد رکھنے میں کامیاب ہو گئے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت داؤد علیہ السلام کو ایک باقاعدہ مرکز عبادت تعمیر کرنے کی ہدایت ملی۔ ۳ حضرت داؤد نے اس مقصد کے لیے ارنان یبوسی نامی شخص سے اس کا ایک کھلیان خریدا جو کوہ موریا پر واقع تھا ٤ اور تعمیر کے لیے ابتدائی تیاریاں شروع کر دیں۔ ۵ تاہم اپنی حیات میں وہ اس مرکز عبادت کو تعمیر نہ کر سکے اور اپنے فرزند سیدنا سلیمان علیہ السلام کو اس کی تعمیر کی وصیت کرتے ہوئے معبد کا تفصیلی نقشہ انھیں سمجھا کر دنیا سے رخصت ہو گئے۔ ٦

حضرت سلیمان نے اپنے والد کی وفات کے بعد اپنے دور حکومت میں اس نقشے کے مطابق مقررہ جگہ پر ایک شان دار عبادت گاہ تعمیر کرائی جو تاریخ میں ہیکل سلیمانی (**Solomon's Temple**) کے نام سے معروف ہے۔ اس کی تعمیر ۹۵۰ ق م میں مکمل ہوئی۔ اپنی شان و شوکت اور جاہ و شکوہ کے لحاظ سے یہ عمارت عجائبات عالم میں شمار ہوتی تھی۔ اس کی تعمیر کی پوری تفصیل

سلاطین ۱ ۶:۱ ۔ ۸ اور تواریخ ۲ ۳:۲ ۔ ۵ میں مذکور ہے۔ قرآن مجید کے بیان کے مطابق اس کی بڑی بڑی محرابوں کی تعمیر کے لیے سلیمان علیہ السلام نے ان جنات سے بھی مدد لی تھی جنھیں اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مسخر کر دیا تھا۔ ۷

خیمہ اجتماع کی جگہ اب ہیکل سلیمانی کو بنی اسرائیل کی عبادات اور مذہبی رسوم کے لیے قبلہ اور ان کی مذہبی و اجتماعی زندگی کے محور و مرکز کی حیثیت حاصل ہوگئی۔ سوختنی قربانیوں کے لیے مذبح ۸ اور عہد کے صندوق کے لیے ایک خاص کمرہ اسی معبد میں تعمیر کیا گیا۔ ۹ اس کی تکمیل کے موقع پر سیدنا سلیمان علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حضور جو دعا کی، اس سے واضح ہے کہ بنی اسرائیل کے لیے اس عبادت گاہ کو اسی طرح ایک روحانی مرجع و مرکز اور مثابۃ للناس کی حیثیت دے دی گئی تھی جس طرح بنی اسمٰعیل کے لیے مسجد حرام کو۔ کتاب مقدس میں ہے:

اور سلیمان نے اسرائیل کی ساری جماعت کے روبرو خداوند کے مذبح کے آگے کھڑے ہو کر اپنے ہاتھ آسمان کی طرف پھیلائے اور کہا... اے خداوند میرے خدا اپنے بندہ کی دعا اور مناجات کا لحاظ کر کے اس فریاد اور دعا کو سن لے جو تیرا بندہ آج کے دن تیرے حضور کرتا ہے تا کہ تیری آنکھیں اس گھر کی طرف یعنی اسی جگہ کی طرف جس کی بابت تو نے فرمایا کہ میں اپنا نام وہاں رکھوں گا، دن اور رات کھلی رہیں تا کہ تو اس دعا کو سنے جو تیرا بندہ اس مقام کی طرف رخ کر کے تجھ سے کرے گا۔ اور تو اپنے بندہ اور اپنی قوم اسرائیل کی مناجات کو جب وہ اس جگہ کی طرف رخ کر کے کریں، سن لینا، بلکہ تو آسمان پر سے جو تیری سکونت گاہ ہے، سن لینا اور سن کر معاف کر دینا۔ اگر کوئی شخص اپنے پڑوسی کا گناہ کرے اور اسے قسم کھلانے کے لیے اس کو حلف دیا جائے اور وہ آ کر اس گھر میں تیرے مذبح کے آگے قسم کھائے تو تو آسمان پر سے سن کر عمل کرنا اور اپنے بندوں کا انصاف کرنا... جب تیری قوم اسرائیل تیرا گناہ کرنے کے باعث اپنے دشمنوں سے شکست کھائے اور پھر تیری طرف رجوع لائے اور تیرے نام کا اقرار کر کے اس گھر میں تجھ سے دعا اور مناجات کرے تو تو آسمان پر سے سن کر اپنی قوم اسرائیل کا گناہ معاف کرنا اور ان کو اس

ملک میں جو تو نے ان کے باپ دادا کو دیا، پھر لے آنا۔ جب اس سبب سے کہ انھوں نے تیرا گناہ کیا ہو، آسمان بند ہو جائے اور بارش نہ ہو اور وہ اس مقام کی طرف رخ کر کے دعا کریں اور تیرے نام کا اقرار کریں اور اپنے گناہ سے باز آئیں جب تو ان کو دکھ دے تو تو آسمان پر سے سن کر اپنے بندوں اور اپنی قوم اسرائیل کا گناہ معاف کر دینا... اگر ملک میں کال ہو، اگر وبا ہو، اگر باد سموم یا گیروئی یا ٹڈی یا کملا ہو، اگر ان کے دشمن ان کے شہروں کے ملک میں ان کو گھیر لیں، غرض کیسی ہی بلا کیسا ہی روگ ہو تو جو دعا اور مناجات کسی ایک شخص یا تیری قوم اسرائیل کی طرف سے ہو جن میں سے ہر شخص اپنے دل کا دکھ جان کر اپنے ہاتھ اس گھر کی طرف پھیلائے تو تو آسمان پر سے جو تیری سکونت گاہ ہے، سن کر معاف کر دینا... اب رہا وہ پردیسی جو تیری قوم اسرائیل میں سے نہیں ہے، وہ جب دور ملک سے تیرے نام کی خاطر آئے... اور اس گھر کی طرف رخ کر کے دعا کرے تو تو آسمان پر سے جو تیری سکونت گاہ ہے، سن لینا... اگر تیرے لوگ خواہ کسی راستہ سے تو ان کو بھیجے، اپنے دشمن سے لڑنے کو نکلیں اور وہ خداوند سے اس شہر کی طرف جسے تو نے چنا ہے اور اس گھر کی طرف جسے میں نے تیرے نام کے لیے بنایا ہے، رخ کر کے دعا کریں تو تو آسمان پر سے ان کی دعا اور مناجات سن کر ان کی حمایت کرنا۔ اگر وہ تیرا گناہ کریں (کیونکہ کوئی ایسا آدمی نہیں جو گناہ نہ کرتا ہو) اور تو ان سے ناراض ہو کر ان کو دشمن کے حوالہ کر دے ایسا کہ وہ دشمن ان کو اسیر کر کے اپنے ملک میں لے جائے خواہ وہ دور ہو یا نزدیک تو بھی اگر وہ اس ملک میں جہاں وہ اسیر ہو کر پہنچائے گئے، ہوش میں آئیں اور رجوع لائیں... اور اس گھر کی طرف جو میں نے تیرے نام کے لیے بنایا ہے، رخ کر کے تجھ سے دعا کریں تو تو آسمان پر سے جو تیری سکونت گاہ ہے، ان کی دعا اور مناجات سن کر ان کی حمایت کرنا... سو تیری آنکھیں تیرے بندہ کی مناجات اور تیری قوم اسرائیل کی مناجات کی طرف کھلی رہیں تاکہ جب کبھی وہ تجھ سے فریاد کریں تو ان کی سنے۔

اس طرح اس عبادت گاہ کو بنی اسرائیل کا ایک مذہبی و روحانی مرکز ہونے کے ساتھ ساتھ ان کی

سیاسی عظمت وشوکت اور دنیاوی جاہ وجلال کے ایک نشان کی حیثیت بھی حاصل تھی۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان کی زبانی بنی اسرائیل کو یہ تنبیہ بھی اس عبادت گاہ کی تعمیر کے ساتھ ہی فرما دی تھی:

اگر تم میری پیروی سے برگشتہ ہو جاؤ اور میرے احکام اور آئین کو جو میں نے تمھارے آگے رکھے ہیں، نہ مانو، بلکہ جا کر اور معبودوں کی عبادت کرنے اور ان کو سجدہ کرنے لگو تو میں اسرائیل کو اس ملک سے جو میں نے ان کو دیا ہے، کاٹ ڈالوں گا اور اس گھر کو جسے میں نے اپنے نام کے لیے مقدس کیا ہے، اپنی نظر سے دور کر دوں گا اور اسرائیل سب قوموں میں ضرب المثل اور انگشت نما ہوگا اور اگر چہ یہ گھر ایسا ممتاز ہے تو بھی ہر ایک جو اس کے پاس سے گزرے گا، حیران ہوگا اور سسکارے گا اور وہ کہیں گے کہ خداوند نے اس ملک اور اس گھر سے ایسا کیوں کیا؟ (۱۔ سلاطین ۹:۱۔۹)

ہیکل سلیمانی کی تعمیر کے تقریباً ساڑھے تین سو سال بعد یہ پیش گوئی پہلی مرتبہ یرمیاہ نبی کے زمانے میں پوری ہوئی۔ بنی اسرائیل کے اجتماعی طور پر مشرکانہ اعمال ورسوم میں مبتلا ہو جانے اور شریعت کی تعلیمات کو پس پشت ڈال دینے کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے بابل کے بادشاہ نبوکدنضر کو ان پر مسلط کیا جس نے ۵۸۶ ق م میں یروشلم پر حملہ کر کے ہیکل کو جلا کر برباد کر دیا، اس کے تمام خزانے اور قیمتی ظروف لوٹ لیے، بنی اسرائیل کا قتل عام کیا اور انھیں اسیر بنا کر اپنے ساتھ بابل لے گیا۔ ۱۱

بنی اسرائیل کی توبہ اور اصلاح حال کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے انھیں دوبارہ آزادی کی نعمت عطا کی اور فارس کے بادشاہ خورس (Cyrus) نے بابل کو فتح کرنے کے بعد ۵۳۸ ق م میں اسیری میں آئے ہوئے بنی اسرائیل کو واپس یروشلم جانے اور وہاں ہیکل کو دوبارہ تعمیر کرنے کی اجازت دے دی۔ ۱۲

ہیکل ثانی کی تعمیر، جس کو زربابلی ہیکل کا نام دیا گیا، ۵۱۵ ق م میں مکمل ہوئی۔ یہ ایک بالکل سادہ

سی عبادت گاہ تھی جس کا تزیین وآرایش اور تعمیر کے معیار کے لحاظ سے سلیمانی ہیکل کے ساتھ کوئی جوڑ نہیں تھا۔ ۱۳ یہ عبادت گاہ تقریباً ساڑھے چار سو سال تک قائم رہی، لیکن اس عرصے میں وقتاً فوقتاً حملہ آوروں کے ہاتھوں بے حرمتی کا نشانہ بنتی رہی۔ ۱۶۹ ق م میں یونانی بادشاہ انطوخیوس چہارم اپی فینیس نے ہیکل پر قبضہ کر کے اس کے ساز و سامان اور خزانے کو لوٹ لیا ۱۴ اور اس میں زیوس (Zeus) دیوتا کے نام پر قربانی کا مذبح قائم کر کے سردار کاہن کو مجبور کیا کہ وہ اس پر ایک خنزیر کی قربانی کرے۔ اس کے ردعمل میں مکابیوں کی بغاوت نے جنم لیا اور ۱۶۵ ق م میں یہوداہ مکابی کی قیادت میں بنی اسرائیل حملہ آوروں کو بے دخل کر کے ہیکل کی بازیابی اور تطہیر میں کامیاب ہو گئے۔ ۱۵ اس کی یاد میں یہودی اب تک حنوکہ (Hanukkah) کا سالانہ تہوار مناتے ہیں۔

۶۳ ق م میں یونانیوں کی جگہ جنرل پومپی کی قیادت میں رومی فوج نے فلسطین پر قبضہ کیا تو اس موقع پر زربابلی ہیکل کا ایک بڑا حصہ تباہی کی نذر ہو گیا۔ بعد میں رومی حکومت نے یہودیوں کو نیم سیاسی خود مختاری دے دی تو یہودیہ کے بادشاہ عظیم ہیرودیس نے، جس کا زمانہ حکومت ۳۷ ق م سے ۴ عیسوی تک ہے، زربابلی ہیکل کی تعمیر نو کرتے ہوئے احاطہ ہیکل یعنی اس کے گرد چار دیواری کو وسیع تر کر دیا، اور زمین سے اس کی اونچائی مزید بلند کر دی۔ یہ تعمیر ۱۹ ق م میں شروع ہو کر ۴۶ سال تک جاری رہی۔

ہیکل کی تباہی اور فلسطین سے یہودیوں کی بے دخلی کی پیش گوئی دوسری مرتبہ ۷۰ء میں پوری ہوئی۔ اس مرتبہ اس کا سبب بنی اسرائیل کا وہ رویہ تھا جو انھوں نے من حیث القوم سیدنا مسیح علیہ السلام کی تکذیب کے حوالے سے اختیار کیا تھا۔ ۶۶ء میں یہودیوں نے رومی حکومت کے خلاف بغاوت کر دی جس کو کچلنے کے لیے رومی جنرل طیطس (Titus) نے ۷۰ء میں یروشلم پر حملہ کر کے یہود کا قتل عام کیا اور ہیکل کو بالکل تباہ و برباد کر دیا۔ زندہ بچ جانے والے یہودیوں کو جلا وطن کر دیا گیا اور یروشلم میں ان کا داخلہ ممنوع قرار دیا گیا، تاہم بعد کے ادوار میں یہ پابندی نرم کر

کے یہودیوں کو مخصوص مواقع پر یروشلم میں آنے اور ہیکل کے کھنڈرات کی زیارت کرنے کی اجازت دے دی گئی۔ ہیکل کی اس دوسری تباہی میں اس کی صرف مغربی دیوار محفوظ رہ گئی تھی جو رفتہ رفتہ یہودیوں کا مقام اجتماع اور ان کی گریہ وزاری کا مرکز بن گئی اور اس بنا پر دیوار گریہ(Wailing Wall) کہلانے لگی۔ ١٦

١٣٦ء میں رومی شہنشاہ ہیڈرین نے یروشلم کو دوبارہ آباد کر کے اس کا نام Aelia Capitolina رکھا اور ہیکل کی جگہ رومی دیوتا Jupiter کے نام پر ایک عالی شان معبد تعمیر کرا دیا۔ چوتھی صدی عیسوی میں مسیحیت کے روم کا سرکاری مذہب بن جانے کے بعد ٣٣٦ء میں قسطنطین اعظم نے اس معبد کی جگہ کلیسائے نشور (Church or Resurrection) تعمیر کرا دیا۔

٦٣٨ء میں مسلمانوں نے یروشلم کو فتح کیا تو اس موقع پر امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ صحابہ کی معیت میں مسجد اقصیٰ میں آئے۔ اس وقت ہیکل کے پتھر (صخرہ بیت المقدس) کے اوپر کوڑا کرکٹ پڑا ہوا تھا۔ سیدنا عمر نے صحابہ کے ساتھ مل کر اس کو صاف کیا اور احاطہ ہیکل کے اندر جنوبی جانب میں نماز پڑھنے کے لیے ایک جگہ مخصوص کر دی۔ بعد میں اس جگہ پر لکڑی کی ایک مستطیل مسجد تعمیر کی گئی۔ ٦٨٨ء میں اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان نے صخرہ بیت المقدس کے اوپر ایک شان دار گنبد تعمیر کرا دیا جو قبۃ الصخرہ (Dome of Rock) کے نام سے معروف ہے۔ اسی نے لکڑی کی مذکورہ سادہ مسجد کی تعمیر نو کر کے اس کے رقبے کو مزید وسیع کر دیا۔ اسلامی لٹریچر میں مسجد اقصیٰ سے مراد یہی مسجد ہے۔

١٠٧٨ء میں جب سلجوقی ترکوں نے یروشلم پر قبضہ کیا تو ان کے ٢٠ سالہ دور حکومت میں یورپ اور پوری دنیا سے آنے والے مسیحی زائرین کے ساتھ ناروا سلوک اختیار کیا گیا اور ان کے مقامات مقدسہ کی زیارت کے معمولات میں رکاوٹ ڈالی گئی۔ اس کے ردعمل میں ١٠٩٦ء میں مغربی یورپ میں غیظ وغضب کی ایک لہر اٹھی جس نے صلیبی جنگوں کا روپ دھار لیا۔ پوپ اربن دوم

کے حکم پر عیسائی جنگجوؤں کا ایک لشکر یروشلم پر قبضے کے لیے روانہ ہوا جس نے ۱۰۹۹ء میں یروشلم پر قبضہ کر کے مسجد اقصیٰ اور قبۃ الصخرہ کو اپنے تصرف میں لے لیا۔ مسیحی فاتحین نے قبۃ الصخرہ کو کلیسا میں تبدیل کر کے اس کے کلس پر سونے کی ایک بڑی صلیب نصب کر دی، جبکہ قبہ کے اندر مسیحی بزرگوں کی مورتیاں اور تصویریں آویزاں کر دی گئیں۔ صخرہ کے اوپر ایک قربان گاہ بنا دی گئی جسے انھوں نے Templu Domini کا جبکہ مسجد اقصیٰ کو TemplumSolomonis کا نام دے دیا۔

۸۸ سال کے بعد ۱۱۸۷ء میں مسلمان صلاح الدین ایوبی کی قیادت میں دوبارہ یروشلم پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گئے اور مسجد اقصیٰ کو مسجد کی حیثیت سے بحال کر کے قبۃ الصخرہ سے صلیب اتار دی گئی۔

۱۹۶۷ء کی عرب اسرائیل جنگ میں اسرائیل مشرقی یروشلم پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گیا جس میں مسجد اقصیٰ واقع ہے اور مسجد کو اسرائیلی فوج نے اپنے کنٹرول میں لے لیا، تاہم اسرائیلی وزیر دفاع موشے دایان نے خیر سگالی کے اظہار کے طور پر احاطہ مقدسہ کی چابیاں اردن کے حکمران ہاشمی خاندان کے سپرد کر دیں۔ اس وقت سے اس احاطے اور اس سے ملحق بعض عمارتوں کا کنٹرول یروشلم کے مسلم وقف کے پاس ہے جو اس کے جملہ امور کی دیکھ بھال کا ذمہ دار ہے۔ ۱۷

اس مختصر جائزے سے واضح ہے کہ تاریخی لحاظ سے مسجد اقصیٰ کے ساتھ مذہبی تعلق و وابستگی کے دعوے میں یہودی اور مسلمان، دونوں فریق بنیادی طور پر سچے ہیں۔ یہودیوں کے لیے یہ عبادت گاہ قبلہ و مرکز اور ان کی دینی و دنیاوی عظمت رفتہ کے نشان کی حیثیت رکھتی ہے۔ دعا اور مناجات کے لیے وہ اسی کی طرف رخ کرتے ہیں اور اس میں سلسلہ عبادت کے احیا کی تمنائیں بر آنے کے لیے صدیوں سے ان کے سینوں میں تڑپ رہی ہیں۔

مسلمانوں کی وابستگی اور عقیدت بھی اس عبادت گاہ کے ساتھ معمولی نہیں ہے۔ یہ مقام انبیاے بنی اسرائیل کی ایک یادگار ہے جن پر ایمان اور جن کا احترام و تعظیم مسلمانوں کے

اعتقاد کا جزو لاینفک ہے۔ انھوں نے اس وقت اس عبادت گاہ کو آباد کیا جب یہود و نصاریٰ کی باہمی آویزشوں کے نتیجے میں یہ ویران پڑی تھی۔ ان کا یہ عمل تمام مذہبی، عقلی اور اخلاقی معیارات کے مطابق ایک نہایت اعلیٰ روحانی اور مبارک عمل ہے جس پر وہ جتنا بھی فخر کریں، کم ہے۔

فریقین کے تعلق و وابستگی کے دعوے کو درست مان لینے کے بعد اب سوال یہ ہے کہ اس پر تولیت کا حق کس فریق کو ملنا چاہیے اور فریقین میں سے کس کے حق کو کس بنیاد پر ترجیح دی جائے؟ جہاں تک قانونی پہلو کا تعلق ہے، اس میں شبہ نہیں کہ مسلمانوں کے دعوائے تولیت کو ایک عملی وجہ ترجیح حاصل ہے۔ انھوں نے یہ عبادت گاہ نہ یہودیوں سے چھینی تھی اور نہ ان کی پہلے سے موجود کسی عبادت گاہ کو ڈھا کر اس پر اپنی عبادت گاہ تعمیر کی تھی۔ نیز وہ بحالت موجودہ اس کی تولیت کے ذمہ دار ہیں اور یہ ذمہ داری وہ گزشتہ تیرہ صدیوں سے، صلیبی دور کے استثنا کے ساتھ، تسلسل کے ساتھ انجام دیتے چلے آ رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بین الاقوامی سطح پر بھی اس کی تولیت کا حق دار مسلمانوں ہی کو تسلیم کیا گیا ہے۔

تاہم قانونی پہلو کو اس معاملے کا واحد قابل لحاظ پہلو سمجھنے کے عام نقطہ نظر سے ہمیں اختلاف ہے اور زیر نظر تحریر میں ہم اسی نکتے کی توضیح کرنا چاہتے ہیں۔ ہماری رائے یہ ہے کہ اس نوعیت کے مذہبی تنازعات میں قرآن وسنت کی رو سے اصل قابل لحاظ چیز، جس کی رعایت مسلمانوں کو لازماً کرنی چاہیے، وہ اخلاقی پہلو ہے۔ اس بحث کی تنقیح کے لیے ہمارے نزدیک اس بنیادی سوال پر غور وخوض مناسب ہوگا کہ مسجد اقصیٰ کی تولیت کا مسلمانوں کے ہاتھوں میں آنا آیا شرعی نوعیت کا کوئی معاملہ ہے یا تکوینی و واقعاتی نوعیت کا؟ دوسرے لفظوں میں، آیا یہ اسلامی شریعت کا کوئی حکم اور تقاضا ہے کہ مسلمان یہود کو اس عبادت گاہ سے لاتعلق قرار دے کر ان کی جگہ اس کی تولیت کی ذمہ داری خود سنبھال لیں یا محض تاریخی حالات و واقعات نے ایسی صورت حال پیدا کر دی تھی کہ مسلمانوں کو اس کی تولیت کی ذمہ داری اٹھانی پڑی؟

اگر معاملہ شرعی نوعیت کا ہے تو پھر اس بات کا جائزہ لینا ہوگا کہ وہ نصوص اور دلائل جن

سے اس ضمن میں استناد کیا جا سکتا ہے، کون سے ہیں اور عقل و منطق کی میزان میں ان سے استدلال کتنا وزن رکھتا ہے؟

اور اگر معاملے کی نوعیت شرعی نہیں، بلکہ واقعاتی ہے تو پھر یہ دیکھنا ہوگا کہ اس سلسلے میں عام مذہبی اخلاقیات اور خود اسلامی تعلیمات کا تقاضا کیا ہے اور کیا محض واقعاتی تسلسل اخلاقی لحاظ سے اس بات کا جواز فراہم کرتا ہے کہ یہود کے تاریخی و مذہبی حق کو بالکل مسترد کر دیا جائے؟

آیئے ان دونوں نکتوں کا ذرا تفصیل کے ساتھ جائزہ لیتے ہیں۔

١-خروج باب ٢٥-٣١۔

٢-خروج ٤٠: ٢٠۔

٣-سموئیل ٥-٧۔

٤-١-تواریخ ٢١: ٢٥۔

٥-٢-تواریخ ٣: ١۔

٦-١-تواریخ ب ٢٢، ٢٨: ١١-٢١۔

صحیح بخاری میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ روے زمین پر سب سے پہلے کون سی مسجد تعمیر کی گئی تھی؟ آپ نے فرمایا: مسجد حرام۔ انھوں نے سوال کیا کہ اس کے بعد؟ آپ نے فرمایا: مسجد اقصیٰ۔ انھوں نے دوبارہ سوال کیا کہ ان دونوں کی تعمیر کے مابین کتنا عرصہ تھا؟ آپ نے فرمایا: چالیس سال۔ (بخاری، رقم ٣٤٢٥)

اس روایت پر یہ اشکال ہے کہ تاریخی مسلمات کی رو سے مسجد اقصیٰ کی تعمیر حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہاتھوں ہوئی اور ان کے اور سیدنا ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کے مابین، جو مسجد حرام کے معمار تھے، کئی صدیوں کا فاصلہ ہے، جبکہ روایت میں دونوں مسجدوں کی تعمیر کے درمیان صرف چالیس سال کا فاصلہ بتایا گیا ہے۔ علماے حدیث کے نزدیک اس کی توجیہ یہ ہے

کہ مسجد اقصیٰ کے مقام کی تعیین تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرما دی تھی اور مذکورہ روایت میں اسی کا ذکر ہے، جبکہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے صدیوں بعد اسی جگہ پر ہیکل سلیمانی کو تعمیر کیا۔ اس لحاظ سے ان کی حیثیت ہیکل کے اولین بانی اور موسس کی نہیں، بلکہ تجدید کنندہ کی ہے۔(ابن قیم: زاد المعاد،١/ ٥٠۔ابن حجر: فتح الباری ٦/ ٤٩٥)

بائبل کے بعض علما ہیکل سلیمانی کے شان وشکوہ کے بارے میں بائیبل میں مذکور تفصیلات کو مبالغہ آمیز

١٠-١۔سلاطین ٨: ٢٢۔ ٥٣۔حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حضرت سلیمان علیہ السلام جب بیت المقدس کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو انھوں نے دعا کی کہ جو شخص بھی مسجد اقصیٰ میں خالصتاً نماز پڑھنے کے ارادے سے آئے، وہ یہاں سے اس طرح گناہوں سے پاک ہوکر جائے جیسے بچہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے امید ہے کہ اللہ نے ان کی یہ دعا قبول فرمالی ہوگی۔(نسائی، رقم ٦٩٤۔ ابن ماجہ، رقم ١٤٠٨)

١١-٢۔تواریخ ٣٦: ١١-٢١۔ یرمیاہ ٥٢: ١٢-١٤۔

١٢-عزرا ١:۔

١٣-حجی ٢: ٣۔٩

١٤-١۔مکابیوں ١: ٢٠۔ ٢٤۔

١٥-١۔مکابیوں ٤: ٣٦-٤٨۔

١٦-ہیکل سلیمانی کی ان دو مشہور ومعروف بربادیوں کا تذکرہ قرآن مجید نے بھی کیا ہے:

اور ہم نے تورات میں بنی اسرائیل سے صاف کہہ دیا تھا کہ تم دو مرتبہ زمین میں فساد مچاؤ گے اور بڑی سرکشی پر اتر آؤ گے۔پس جب ان میں سے پہلا موقع آیا تو ہم نے تم پر اپنے

نہایت سخت گیر اور طاقت ور بندوں کو مسلط کر دیا جو تمھارے گھروں کے اندر گھس آئے، اور یہ وعدہ پورا ہو کر رہنا تھا۔ پھر ہم نے ان کے خلاف تمھیں بالادستی کا موقع دیا اور مال و اولاد سے تمھاری مدد کی اور تمھیں خوب جتھے والا بنا دیا۔ اگر تم نے بھلائی کا رویہ اختیار کیا تو اپنے ہی فائدے کے لیے، اور اگر بد چلن ہو گئے تو اپنا ہی نقصان کیا۔ پھر جب دوسرا موقع آیا (تو اسی طرح دشمنوں کو تم پر مسلط کیا جو تم پر چڑھ آئے) تا کہ تمھارے چہروں کو بگاڑ کر رکھ دیں اور اسی طرح مسجد میں گھس جائیں جس طرح پہلی مرتبہ گھسے تھے اور جو چیز ان کے ہاتھ لگے، اس کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیں۔ توقع ہے کہ تمھارا رب تم پر پھر رحم کرے گا۔ لیکن اگر تم نے دوبارہ یہی رویہ اپنایا تو ہم بھی یہی کچھ کریں گے۔ اور ہم نے جہنم کو کافروں کے لیے قید خانہ بنا رکھا ہے۔ (بنی اسرائیل ۱۷:٤ -۸)

۱۷- مسجد اقصیٰ کی تاریخ سے متعلق ان تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو:

" اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جامعہ پنجاب لاہور، مقالہ جات: القدس اور قبۃ الصخرہ"

مسجد اقصیٰ تاریخ کے آئینے میں

اقصیٰ (بمعنی دور) عربی زبان کا لفظ ہے، یہاں بطور اسم استعمال ہے۔ عالم اسلام کا بچہ بچہ اس نام سے اور اس کی عظمت شان سے واقف ہے۔ 10 نبوی میں (27 ویں رجب شب دوشنبہ کو) اللہ تعالیٰ کی جانب سے خاص اور منفرد سفر کی دعوت پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مسجد حرام (مکہ مکرمہ، کعبۃ اللہ شریف) سے لے جایا گیا، اس سفر کی پہلی منزل مسجد اقصیٰ رہی پھر ساتوں آسمانوں کی سیر، عالم برزخ کا مشاہدہ، عالم حشر کے سماں کا نظارہ کراتے ہوئے خالق کائنات سے بلا فصل ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ اس واقعہ (معراج) کی فورا بلا تردد تصدیق پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یار غار خلیفہ اول حضرت سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کو 'صدیق' کا لقب عطا ہوا۔

مسجد اقصیٰ کی عظمت:

روئے زمین پر مسجد حرام (خانہ کعبہ) کے بعد یہ دوسری قدیم ترین مسجد ہے، جہاں آج بھی الحمدللہ پنجوقتہ نماز با جماعت کے علاوہ جمعہ، عیدین اور تراویح، تہجد، اعتکاف اور درس و تدریس کا اہتمام ہے۔ اور مسجد نبوی کے بعد تیسرا مقدس ترین مقام ہے، فلسطین کی پاک سرزمین انبیاء کرام کا مسکن رہا ہے، اسی وجہ سے اسے سرزمین انبیاء بھی کہا جاتا ہے۔ اس کے چپہ چپہ پر انبیاء کرام علیھم السلام کے نشانات موجود ہیں، گزشتہ قوموں کے آثار یہاں جا بجا بکھرے ہوئے ہیں، اس خطہ کے کھنڈرات، یہاں کی اجڑی ہوئی بستیاں، وادیاں، پہاڑ اور دریا، غرض ہر شئی اپنے دامن میں ایک مکمل تاریخ چھپائے ہوئے ہے، اس ارض مقدس (مَقْدَس بھی کہا گیا) کا مشہور اور قدیم شہر بیت المقدس ہے، اس کو ''اَلقُدُس'' بھی کہتے ہیں۔ انگریزی میں یروشلم (JERUSALEM) کہا جاتا ہے۔

اس شہر القدس میں ایک تاریخی عمارت ہے جو صدیوں سے مختلف قوموں کا قبلہ چلی آتی ہے، یہ مسجد اقصیٰ اور حرم شریف کے ناموں سے بھی مشہور ہے، اور مسجد صخرہ (سنہری گنبد والی مسجد) بھی ہے۔ یہ شہر دو حصوں میں منقسم ہے ایک پرانا شہر ہے، دوسرا نیا شہر ہے۔ پرانے شہر کے چاروں طرف اونچی دیواروں کا احاطہ ہے اور اسی شہر میں تمام مقدس مقامات پائے جاتے ہیں۔ گنبد صخرہ، مسجد اقصیٰ اور قیام چرچ ہے۔

مسجد اقصی کے اطراف 1600 میٹر لمبی پتھر کی دیوار ہے، اس کے اندر 9 دروازے ہیں، جو (1) باب رحمت (2) باب حطہ (3) باب فیصل (4) باب غوانمہ (5) باب ناظر (6) باب حدید (7) باب قطانین (8) باب سلسلہ (9) باب مغاربہ کے نام سے موسوم ہیں۔

گنبد صخرہ:۔

مشہور ماہر آثار قدیمہ دان برجیم کہتا ہے کہ سادہ انداز کی نہایت متوازن عمارت بلاشبہ اسلامی تعمیرات کا قابل فخر سرمایہ ہے۔

اس کی تعمیر پانچویں اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان نے 68ھ مطابق 688ء میں شروع کروایا جو چار سالوں بعد 72ھ مطابق 691ء میں پایہ تکمیل کو پہنچی۔

گنبد صخرہ کو (مسجد صخرہ بھی کہا جاتا ہے) حرم قدسی کی زمین سے 30 میٹر بلند ہے، یہ شہر کی سب سے بڑی نشانی ہے، یہ دو منزلہ عمارت ہے جو آٹھ کونوں والی ہے، ایک گوشہ سے دوسرے گوشہ کی دوری 20 میٹر اور اونچائی 15 میٹر ہے، نچلی منزل کے دیوار پر نہایت حسین سفید مرمر لگا ہوا ہے، جس پر فیروزے کلر کا ٹائلز بھی ہے، اور اس کے اندر سفید کلر میں سورہ ے سین تحریر ہے، ان آٹھ گوشوں میں رنگین شیشے کی کھڑکیاں ہیں جس کی تعداد 56 ہے۔

اسی صخرہ کے نیچے غار انبیاء علیھم السلام ہے، جہاں پہنچنے کے لئے 11 سیڑھیاں ہیں، مسجد کے اندر دو پٹ والے چار دروازے ہیں، اس کے اندر سنگ مرمر سے بنے 16 ستون ہیں۔

مسجد اقصیٰ کی تعمیر:۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ 14ھ مطابق 636ء میں اپنے دور خلافت میں فتح کے بعد یہاں تشریف لائے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سفر معراج کی منزل تلاش کیا اور اپنے مبارک ہاتھوں سے اس جگہ کو صاف کیا اور وہاں مسجد کی تعمیر کا حکم دیا اور وہاں حضرت بلال رضی اللہ تعالی عنہ کو اذان کا حکم دیا پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھایا۔ یہاں سادہ مستطیل لکڑی کی مسجد تعمیر ہوئی۔

مسجد صخرہ (گنبدہ صخرہ) کی تعمیر کے بعد 72ھ مطابق 691ء میں اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان نے دوبارہ اس کی تعمیر کا آغاز کیا، اور تکمیل ان کے فرزند ولید بن عبدالملک (چھٹویں خلیفہ) کے دور میں ہوئی، جس پر ولید کے دور حکمرانی کے 7 سال کے محاصل (ٹیکس) کی خطیر رقم اس تعمیر پر صرف ہوئی، مسجد اقصی کی لمبائی 80 میٹر اور چوڑائی 55 میٹر ہے۔ اور 23 مرمری اونچے ستونوں اور 49 چوکور چھوٹے ستونوں پر کھڑی یہ عمارت 705ء میں مکمل ہوئی ہے،

دروازوں پر سونے اور چاندی کی چادریں چڑھی ہوئی تھیں۔

مسجد کے گیارہ گیٹ ہیں جن میں سے سات شمال میں ہیں۔ پانچ بار اس کی تعمیر ہوئی، موجودہ تعمیر 1035ء کی ہے۔ یروشلم شہر کی یہ سب سے بڑی مسجد ہے جس میں بہ یک وقت 50,000 مسلمان نماز پڑھ سکتے ہیں، 15/ جولائی 1099ء کو بیت المقدس پر عیسائی حملہ آوروں کا قبضہ ہوا۔

ہزار ہا مسلمان مردوں، عورتوں اور بچوں کا قتل عام کیا گیا، اور مسجد کو گرجا میں تبدیل کر دیا گیا، اس میں لہولعب کے کام وہاں ہوئے اور کئی حصوں کو رہائش گاہوں کے طور پر استعمال کیا گیا۔ 12/ اکٹوبر 1187ء کو وہ عظیم الشان موقعہ آیا، جب مسجد اقصی عیسائی قابضین سے واپس مل گئی یہ عظیم کامیابی بطلِ جلیل سلطان صلاح الدین ایوبی کے شہر فتح کرنے پر حاصل ہوئی، سلطان نے عمارات اور مسجد میں تبدیلیوں کو ختم کیا پھر مسجد اقصیٰ اصلی حالت پر لائی گئی۔ مسلمانوں نے مسلسل ایک ہفتہ تک پانی اور عرق گلاب سے غسل دیا۔

عظیم الشان نادر منبر سلطان صلاح الدین غازی نے حلب میں تیار کرا کے مسجد میں نصب کیا۔ ۱۵/ اگست 1967ء بڑے کرب کا دن تھا جب ایک آسٹریلوی یہودی سیاح مائیکل روہن اسرائیلی حکومت کی ایماء پر مسجد اقصیٰ میں آگ لگا دیا، تقریباً چار گھنٹوں تک یہ آگ بھڑکتی رہی جس سے جنوب مشرقی سمت کی چھت شہید ہوگئی اور سلطان کا وہ نادر یادگار منبر جل کر راکھ ہوگیا۔ سیاح روہن کو گرفتار کر کے معمولی سزا سنائی گئی۔

مسلم قبرستان:

مسجد صخرہ اور مسجد اقصیٰ کے قریب قبرستان ہے جس کی بڑی اہمیت ہے، مدینہ منورہ کے بعد یہاں دفن کئے جانے کو ترجیح دیا گیا ہے۔ اس قبرستان کے دروازوں کو متنازعہ کہہ کر بند کر دیا گیا، یہودیوں کا عقیدہ ہے کہ ان ہی دروازوں سے مسیح علیہ السلام یروشلم میں داخل ہوں گے۔

جبل زیتون:

یہودیوں کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آخرت میں یہاں دفن ہونے والوں کو بخش دے گا، اس لئے بھی یہ قبرستان ان کے لئے مقدس ہے، اسی قبرستان کے قریب یروشلم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے قیام کیا تھا۔

عیسائیوں کی کتاب انجیل کے مطابق یہاں کوہ موریا پر حضر ابراہیم علیہ السلام اللہ کے اس امتحان میں کامیاب ہوئے تھے کہ وہ اپنے بیٹے اسحاق علیہ السلام کو اللہ کی راہ میں قربان کرنا چاہئے۔ یہودیوں کے مطابق یہ ان کی عظیم عبادت گاہ ہیکل سلیمانی کا دوسرا نام ہے۔

عیسائیوں کے یہاں مقدس مقامات بھی ہیں۔ عیسائیوں کے عقیدہ کے مطابق عیسی علیہ السلام کو یہاں صلیب پر چڑھایا گیا تھا۔ یہودیوں کی کتاب تلمود کے مطابق یہی وہ مقام ہے جہاں کی مٹی سے آدم علیہ السلام کی تخلیق کی گئی۔

یہی وہ مقام ہے جہاں سے حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے لئے قربانیاں پیش کی تھیں، یہاں مسیحا کی آمد پر مردوں کو بخشا جائے گا، یہاں ٹیلے کے ٹھیک نیچے مغربی دیوار ہے جس کو دیوار گریہ کہا جاتا ہے۔

یہودیوں کا دعویٰ ہے یہ دیوار ان کی قدیم عبادت گاہ کا بچا ہوا حصہ ہے، اسی لئے ان کے لئے یہ عبادت کی سب سے مقدس جگہ ہے۔

یہودیوں کا دعویٰ ہے کہ یہاں ہیکل سلیمانی تھا جسے 586 قبل مسیح بابل حکومت نے تباہ کر دیا تھا۔ بعض مؤرخ کہتے ہیں یہاں دوسرا عبادت خانہ تھا جسے رومی فوج نے 70ء میں تباہ و تاراج کر دیا تھا۔

اس دیوار سے لگ کر یہودی اپنی مقدس عبادت گاہ کی تباہی کے غم میں گریہ کرتے ہیں، اسی لئے اس دیوار کو دیوار گریہ کہتے ہیں۔ دیوار گریہ کو عربی میں ''اَلْمَبْکٰی'' انگریزی میں Wailing Wall کہتے ہیں۔

(حرم کے وسط میں ایک چبوترہ پر ایک مخروطی گنبد قبۃ الصخرہ ہے۔حرم کے چاروں طرف حجرے ہیں، شمالی دیوار کے حجروں میں عربی یونیورسٹی تھی، جنوبی سمت مختصر عجائب گھر ہے، جس میں مختلف نوادرات ہیں، مغربی دیوار سے ملحقہ ایک حجرے میں شریف حسین شریف مکہ اور قریب میں مشہور مجاہد آزادی ہند مولانا محمد علی جوہر مدفون ہیں، اس مغربی دیوار کے بیرونی حصہ کا نام دیوار گریہ ہے، جس کا طول 60 فٹ ہے، دیوار کے نچلے حصہ میں بادشاہ ہیروڈ کے زمانہ کے بڑے بڑے پتھر نہایت خوبصورتی سے لگے ہوئے ہیں، اوپری حصہ پر رومی طرز کے بڑے بڑے پتھر نصب ہیں، دیوار پر جدید طرز کی نقش ونگاری کی گئی ہے۔ اس دیوار کی اہمیت یہودیوں کی تاریخ اور دینی نسبت سے ہے، خاص طور پر یہودی مرد وزن مذہبی تہواروں کے علاوہ ہر سبت (ہفتہ واری) دیوار گریہ کی زیارت کرتے ہیں، اور 9 / اگست کو مہروں پر تابوت سکینہ اٹھائے جلوس کی شکل میں یہاں آتے ہیں، خاص عبادت کرتے اور تکلفا روتے ہیں، دعاء مانگتے ہیں۔ حالانکہ یہ دیوار حرم کی ہے اور حرم کی تعمیر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں خود مسلمانوں نے کی ہے)

بنی اسرائیل کے جلیل القدر نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم یہود کو لے کر برسوں صحرائے سینا میں پھرتے رہے، اس زمانہ میں انہوں نے اپنی قوم کے لئے ایک خیمہ عبادت کے لئے نصب کیا تھا۔ یہ خیمہ 45 فٹ لمبا، 5 فٹ چوڑا اور 15 فٹ اونچا تھا۔

اس خیمہ میں قیام عبادت ''عود سوز'' اور'' تابوت سکینہ'' کی جگہ تھی، تابوت سکینہ 502354:2 تھا اس کی بلندی 2 فٹ تھی، اس میں صحائف، الواح (تختیاں) اور من و سلویٰ تھے، یہ یہود کی مقدس ترین یادگاریں تھیں۔

حضرت جالوت کے وقت یہ خیمہ ایسا ہی رہا، اس زمانے میں یہود اس کی طرف رخ کرکے عبادت کرتے تھے، گویا یہ خیمہ ان کا قبلہ تھا۔

48 قبل مسیح میں حضرت داؤد علیہ السلام نے خیمہ عبادت کو شہر بیت المقدس میں کوہ صیہون میں

ایک جگہ مستقل طور پر نصب کر دیا، اس جگہ کا نام ''بیت ایل''یعنی اللہ کا گھر پڑ گیا، یہاں اللہ تعالی حضرت داؤد علیہ السلام سے ہمکلام ہوا۔

988 قبل مسیح (طوفان نوح کے 1048 سال بعد) حضرت داؤد علیہ السلام کے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس خیمہ عبادت کی جگہ ''ہیکل'' کی مستقل عمارت بنوایا، ہیکل کی عمارت 20 سال میں مکمل ہوئی۔ تورات کے بیان کے مطابق اس کام پر ستر ہزار بار بردار، اسّی ہزار سنگتراش تین ہزار چھ سو ان کے نگران کار مقرر کئے گئے تھے (کتاب تواریخ)۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہیکل کا طول 60 ہاتھ، عرض 20 ہاتھ اور بلندی 20 ہاتھ تھی (تورات مقدس ۲ تواریخ ۳:۲)

حرم پہ کیا گزری:

حضرت سلیمان علیہ السلام کے 415 سال بعد پانچ سو سال قبل مسیح کا واقعہ ہے بابل کے بادشاہ بخت نصر نے بیت المقدس پر حملہ کیا، شہر کی اینٹ سے اینٹ بجادی تبرکات کو لوٹ لیا اور کتاب مقدس کو نذر آتش کر دیا ہیکل کو جلا کر راکھ کا ڈھیر کر دیا۔

بخت نصر کے حملہ کے بعد موسیٰ علیہ السلام کی یادگار داؤد علیہ السلام کی نشانی حضرت سلیمان علیہ السلام کی تعمیر کردہ عمارت صفحہ ہستی سے یکسر نابود ہوگئی۔ ستر سال بعد خسرو ذوالقرنین (معائرس اعظم) شاہ ایران بابل پر فتحیاب ہوا، اس کی فتحمندی سے یہودیوں کو آزادی نصیب ہوئی، اور ہیکل کی عمارت از سر نو تعمیر ہوئی، 98 سال بعد (168 ق م) ایک بار پھر اس گھر پر تباہی چھائی۔ انطاکیہ کے یونانی بادشاہ اینوٹینس نے شہر پر قبضہ کر لیا اور ہیکل کو بت کدہ میں تبدیل کر دیا۔ اس وقت کتاب مقدس کا واحد نسخہ بھی نذر آتش ہوگیا، اب یہودی لاوارث دین اور دنیا دونوں سے محروم ہو گئے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام دنیا میں تشریف لائے، بیت المقدس سے چار میل کے فاصلہ پر قصبہ ناصریہ میں پیدائش ہوئی۔ شہر اور اطراف کے علاقہ کو اپنی تبلیغ کا مرکز بنایا، یوں یہاں

دوبارہ رونق آئی، یہ خوش آئند بات بھی بہت جلد ختم ہوگئی، 70ء میں رومی سپہ سالار طیطوس نے بیت المقدس پر ایک شدید حملہ کر کے ہیکل کو مسمار کر دیا اور قتل عام کرایا، زندہ رہ جانے والوں کو جلا وطن کر دیا، اور شہر کے ایک کونے سے دوسرے کونے میں ہل چلا دیا، تین صدی بعد حالات بدلے۔

312ء شہنشاہ روم قسطنطین اعظم نے عیسائی مذہب قبول کیا، اس سے بنی اسرائیل کو کچھ قوت ملی، لیکن یہ دور بھی تا دیر قائم نہ رہا۔ تین سو سال بعد رومۃ الکبریٰ کی سطوت پھر پارہ پارہ ہوگئی، ارض مقدس پر شہنشاہ ایران کا قبضہ ہوگیا۔

ساتویں صدی عیسوی میں ظہور الاسلام ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت 14 ہجری 636ء میں جنگ کے بغیر بیت المقدس مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا۔

"حرم" اسلامی دور میں:

ہجرت کے پندرہویں سال ہیکل کی آخری تباہی کے 569 سال بعد 636ء میں دنیا کی بے مثال فتح کے ذریعہ مسلمانوں کے قبضہ میں آیا، اسقف اعظم سفرونیس (Sophronips) نے شہر کی چابیاں خود امیر المؤمنین کو پیش کر دیا۔

اور جب نماز کا وقت آیا:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نماز ادا کرنے کے لئے جگہ دریافت کیا، پادریوں نے ہیکل کی اجڑی ہوئی جگہ کا نشان بتایا، جہاں کھنڈر کے سوا کچھ نہ تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہاں نماز ادا کی، اسی جگہ حرم کے ڈیڑھ ہزار فٹ لمبے اور ایک ہزار فٹ چوڑے احاطہ کا سنگ بنیاد رکھی، اس کے اندر زیتون اور سرو کے درخت لگائے، ایک حصہ پر چھت ڈالی گئی، یہ جگہ نماز کے لئے مخصوص ہوگئی، یہ مسجد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کہلائی، ساڑھے تیرہ سو سال سے مسجد عمر، حرم اور اس کی تمام متعلقہ عمارات مسلمانوں کے قبضے میں چلی آ رہی ہیں۔

جس زمانہ میں فلسطین پر برطانیہ کا قبضہ اور اقتدار قائم ہوا تھا، اس وقت یہودیوں نے

اس دیوار پر اپنا حق ملکیت قائم کرنے کی کوشش کی۔ حالانکہ یہ دیوار حرم کی ہے۔

1929ء میں یہودیوں نے اقوام عالم (انجمن اقوام متحدہ League of Nations) میں دیوار گریہ پر اپنی ملکیت کا دعویٰ کیا۔

انجمن نے ایک کمیشن قائم کی۔ فریقین نے کمیشن کے سامنے اپنے دلائل اور شواہد پیش کئے، جس نے مکمل چھان بین کے بعد یہ فیصلہ دیا کہ قانونی اور تاریخی اعتبار سے ''دیوار گریہ'' حرم کا ایک حصہ ہے، جس پر مسلمانوں کا قبضہ ہے، اور ان کے مالکان حقوق بالکل درست ہیں۔ یہودیوں کو صرف اس قدر حق ہے کہ وہ اس کی زیارت کے لئے یہاں آسکتے ہیں۔

لیکن بعد میں برطانیہ اور مغربی اقوام کی سازش سے فلسطین میں یہ المناک صورت پیدا ہوئی کہ 15,14 جولائی 1948ء کی درمیانی رات ''ریاست اسرائیل'' کے قیام کا اعلان کیا گیا (انا للہ وانا الیہ راجعون) اور شہر بیت القدس کے کچھ حصہ پر بھی یہود کی اس نام نہاد حکومت کو قبضہ دیدیا گیا۔ یہ دنیا کی تاریخ کی سب سے بڑی سازش ہے۔ اور ایسی سازشوں کا سلسلہ مسلم امت کے خلاف جاری ہے، اللہ حفاظت فرمائے۔ آمین

یہود کی تمام شرارتوں کے باوجود انتہائی رواداری کا ثبوت دیا جاتا رہا۔ حتی کہ 1948ء کی جنگ کے دوران بھی دیوار گریہ کی زیارت کے لئے زائرین کی خاطر عارضی جنگ بندی اور مکمل حفاظتی پہرہ کے ساتھ یہود کے لئے وہاں زیارت و عبادات کے انتظامات کئے گئے۔

غضب الٰہی میں ہزاروں سال اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب کا نشانہ بنتے رہے، یہودیوں کو ہر قوم ٹھوکریں مارتی رہیں، جس ملک میں رہنے گئے وہاں سے ذلیل و خوار کر کے نکالے گئے، پھر بھی مسلمان رواداری کا ثبوت دیتے رہے۔ مسلمان باوجود اقتدار کے دیوار گریہ کی زیارت کی اجازت دیتے رہے۔

لیکن مارچ 1983ء میں ایک دن اچانک چند سر پھرے دہشت گرد یہودیوں نے حرم شریف (بیت المقدس) پر زبردستی قبضہ کی کوشش کیا لیکن بفضل تعالیٰ یہود اس ناپاک سازش

میں ناکام رہے، ان کی ہمیشہ یہ کوشش رہتی ہے کہ حرم شریف کو نیست و نابود کر کے دیوار گریہ اور ہیکل سلیمانی کا احیا کیا جائے۔

گنبد صخرہ اور مسجد اقصیٰ:

فیصلہ کن جنگ کی تیاریوں کی غرض سے شاید یہ منصوبہ اپنایا جارہا ہے، مسلمانوں کے قبلہ اول کو نشانہ بنا کر سارے عالم اسلام کو برباد کر دیا جائے اس کے لئے ساری دنیا کے ذہنوں سے مسجد اقصی کے خاکے کو مٹایا جارہا ہے۔ غور فرمایئے گنبد صخرہ (زرد گنبد) کو ہی مسجد اقصیٰ کے طور پر پیش کیا جارہا ہے، اور مسلمانوں کی اچھی خاصی تعداد سنہرے گنبد والی مسجد کو ہی مسجد اقصی سمجھ رہی ہے۔ یہودی سازش کا پہلو یہ ہے کہ جب صیہونی یہودی اصل مسجد اقصی کو شہید کر دیں گے تو عالم اسلام کا شدید ردعمل نا قابل برداشت رہے گا، اور تمام اختلافات ختم کر کے عالم اسلام ایک ہوجائے گا، مسجد اقصیٰ کا نام لیا جائے گا اور سنہرے گنبد کو دکھایا جاتا رہے گا۔ عیسائیت اور یہودیت کی عظیم اور ناپاک اتحاد نے آخری اور فیصلہ کن جنگ کا آغاز کر دیا ہے۔

یہ حالات اس امت کے لئے کچھ نئے نہیں ہیں۔ قربِ قیامت میں پیش آنے والے حالات پہلے ہی بتائے جاچکے ہیں، اس وقت کا المیہ یہ ہے کہ اب تنہا امت کو ان حالات کا مقابلہ کرنا پڑ رہا ہے۔ ماضی میں کٹھن حالات کا مقابلہ دینی حمیت رکھنے والوں کے ساتھ کچھ خواص (یعنی حکمراں) بھی شامل رہے تھے۔

یہ ستم ظریفی بھی ملاحظہ ہو:

14 / مئی **2007**ء کے اسرائیلی روزنامہ ہارٹس کی اطلاع کے بموجب مسجد اقصیٰ کے صحن میں یہودیوں کا داخلہ ان کے مذہب کی رو سے حرام تھا، کیونکہ قدس الاقداس کی جگہ کونسی ہے معلوم نہیں، داخلہ سے یہ خطرہ ہے کہ پاؤں اس جگہ پڑ جائیں گے اور وہ مقام روندا جائے گا، جس کی وجہ سے بے حرمتی ہوگی اور یہ حرام ہے لیکن اب اس حرمت کو جواز میں تبدیل کرنے کے لئے فتوی حاصل کیا گیا۔

مرکزی صیہونی مذہبی تحریک سے وابستہ تین اہم حافانوں (مذہبی اونچے درجہ کے پیشوا) نے اس کے جواز کی وکالت کی ہے۔اور اسرائیل کے سب سے بڑے مرکزی حافام کے منصب (گویا یہودی مذہبی بڑا پیشوا) کے دعویدار اور امیدوار سے بھی جواز کا فتوی دے کر شروع سے لگی اس پابندی وحرمت کو اباحت و جواز میں تبدیل کردیا ہے، اس سلسلہ کی خطرناک سازش مقدس حوض کے نام سے جانی جاتی ہے۔

اس منصوبہ کے تحت نام نہاد مذہبی مقدس مقامات قدیم شہر، وادی قدرون اور جبل زیتون کے علاقہ میں ۲۲.۵ کلومیٹر کے رقبہ میں یہودی رنگ چڑھایا جائے اور اسلامی آثار مٹائے جائیں۔

برکت کی جگہ: قرآن مجید نے پانچ جگہ تو یہ اعلان کیا کہ یہاں برکت ہے سورہ اعراف ''وَ **اَوْرَثْنَا الْقَوْمَ**'' الخ،سورہ اسراء میں سُبْحَانَ الَّذِيْ اَسْرٰی الخ''سورہ انبیاء میں''وَنَجَّیْنٰہُ لُوْطًا اِلَی الْاَقْصٰی الخ ،وَلِسُلَیْمَانَ الرِّیْحَ عَاصِفَۃً الخ''سورہ سباء میں''وَجَعَلْنَا بَیْنَھُمْ وَبَیْنَ الْقُرٰی الخ''اسرائیل یہاں جم کر بیٹھا ہوا ہے اور عیسائی حفاظت کررہے ہیں، سارے کفار تماشہ دیکھ رہے ہیں۔

عالم اسلام انتشار کا شکار ہونے کے باوجود فلسطینی آج بھی نہتے مزاحمت کررہے ہیں اور اسرائیلی درندگی کا ڈٹ کر سامنا کررہے ہیں۔ایسی صورت حال میں ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم معصوم ومظلوم فلسطینیوں کی کھل کر تائید کریں اور انہیں ان کا حق دلائیں ،ساتھ ہی ساتھ انسانیت کا مظاہرے کرتے ہوئے ہمیں انہیں دواء اور غذا بھی فراہم کرنا چاہئے۔

اللھم نبھنا عن نومۃ الغفلین، اللھم اصلح ولاۃ امورنا وامنا فی اوطاننا، اللھم دمر واھلک اعدائک واعداء الاسلام۔

اٰمین بحرمۃ سید المرسلین

❁❁❁❁❁❁❁

مسجد اقصیٰ روتی ہے
امت مسلم سوتی ہے

قبلہ اول

ہمارے دین کی پہچان قبلہ اول
بچائیں گے تری ہم آن قبلہ اول
امام الانبیا کی مسند امامت تو
ہے تجھ سے منسلک ایمان قبلہ اول

ڈاکٹر مشاہد رضوی

مسجد اقصیٰ اور بیت المقدس

احادیث کے مطابق دنیا میں صرف تین مسجدوں کی جانب سفر کرنا باعث برکت ہے جن میں مسجد حرام، مسجد اقصی اور مسجد نبوی شامل ہیں۔ بیت المقدس یا القدس فلسطین کے وسط میں واقع ہے جو مسلمانوں، عیسائیوں اور یہودیوں کے نزدیک انتہائی مقدس ہے یہاں مسلمانوں کا قبلہ اول مسجد اقصی اور قبۃ الصخرہ واقع ہیں۔ اسے یورپی زبانوں میں یروشلم کہتے ہیں۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد 16 / 1 میں لکھا ہے کہ ''یروشلم کا عام عربی نام القدس ہے جسے قدیم مصنفین عام طور پر بیت المقدس (بعض بیت المقدس) لکھتے ہیں، دراصل اس سے مراد ہیکل (سلیمانی) تھا جو عبرانی بیت ہمدقش کا ترجمہ ہے لیکن بعد میں اس لفظ کا اطلاق تمام شہر پر ہونے لگا۔ یہ مصنفین ایلیا کا لفظ بھی جو Aelia سے لیا گیا، بکثرت استعمال کرتے ہیں۔ انہیں اس کا قدیم نام Jerusalem بھی معلوم تھا جسے وہ اوریشلم اور یسلم اور یشلم بھی لکھتے ہیں۔'' کتاب مقدس (بائبل سوسائٹی) میں اسے یروشلم لکھا گیا ہے۔ ''بیت المقدس'' سے مراد مبارک گھر'' یا ایسا گھر ہے جس کے ذریعے سے گناہوں سے پاک ہوا جاتا ہے۔ اقصی عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی بہت دور کے ہیں۔ ایک صدی ق م میں جب رومیوں نے یروشلم پر قبضہ کیا تو انہوں نے اسے ایلیا کا نام دیا تھا۔ مکہ مکرمہ سے بیت المقدس کا فاصلہ تقریباً تیرہ سو کلومیٹر ہے۔ بیت لحم اور الخلیل بیت المقدس کے جنوب جبکہ رام اللہ شمال میں واقع ہے۔ بیت المقدس پہاڑیوں پر آباد ہے۔ انہی میں سے ایک پہاڑی کا نام کوہ صہیون جس پر مسجد اقصی اور قبۃ الصخرۃ واقع ہیں۔ کوہ صہیون کے نام پر ہی یہودیوں کی عالمی تحریک صہیونیت قائم کی گئی۔ سب سے پہلے حضرت ابراہیم اور ان کے بھتیجے لوط نے عراق سے برکت والی سرزمین یعنی بیت المقدس کی طرف ہجرت کی تھی۔ 620ء میں نبی کریم جبریل کی راہنمائی میں مکہ سے بیت المقدس پہنچے اور پھر معراج آسمانی کے لیے تشریف لے گئے۔ مسجد اقصی خانہ کعبہ اور مسجد نبوی کے بعد تیرا مقدس ترین مقام ہے۔ مقامی

مسلمان اسے المسجد الاقصی یا الحرم القدس الشریف کہتے ہیں- یہ مشرقی یروشلم میں واقع ہے- یہ یروشلم کی سب سے بڑی مسجد ہے جس میں پانچ ہزار نمازیوں کی گنجائش ہے جبکہ مسجد کے صحن میں بھی ہزاروں افراد نماز ادا کر سکتے ہیں-حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفر معراج کے دوران مسجد حرام سے یہاں پہنچے تھے اور مسجد اقصی میں تمام انبیاء کی نماز کی امامت کرنے کے بعد براق کے ذریعے سات آسمانوں کے سفر پر روانہ ہوئے-قرآن مجید کی سورہ الاسراء میں اللہ تعالی نے اس مسجد کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:''پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو رات ہی رات میں مسجد حرام سے مسجد اقصی لے گئی جس کے آس پاس ہم نے برکت دے رکھی ہے اس لیے کہ ہم نے اسے اپنی قدرت کے بعض نمونے دکھائے یقیناً اللہ تعالی ہی خوب سننے والا اور دیکھنے والا ہے- (سورہ الاسراء آیت نمبر 6) حضرت ابوذر رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے:''میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ زمین میں سب سے پہلے کون سی مسجد بنائی گئی؟ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسجد حرام (بیت اللہ) تو میں نے کہا کہ اس کے بعد کونسی ہے؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے: مسجد اقصی، میں نے سوال کیا کہ ان دونوں کے درمیان کتنا عرصہ ہے؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چالیس سال، پھر جہاں بھی تمہیں نماز کا وقت آجائے نماز پڑھ لو کیونکہ اسی میں فضیلت ہے- (صحیح بخاری حدیث نمبر **3366**، صحیح مسلم حدیث نمبر **520**)

حضرت یعقوب نے وحی الہی کے مطابق مسجد بیت المقدس (مسجد اقصی) کی بنیاد ڈالی اور اس کی وجہ سے بیت المقدس آباد ہوا- پھر عرصہ دراز کے بعد حضرت سلیمان (**961** ق م) کے حکم سے مسجد اور شہر کی تعمیر اور تجدید کی گئی- اسی لیے یہودی مسجد بیت المقدس کو ہیکل سلیمانی کہتے تھے-اسلامی عہد میں مسجد اقصی کی تعمیر: **137** ق م میں رومی شہنشاہ ہیڈرین نے یہودیوں کو بیت المقدس اور فلسطین سے جلاوطن کر دیا- چوتھی صدی عیسوی میں رومیوں نے عیسائیت قبول کر لی اور بیت المقدس میں گرجے تعمیر کیے- جب نبی کریم معراج کو جاتے ہوئے بیت المقدس پہنچے اس وقت یہاں کوئی ہیکل نہ تھا، چنانچہ قرآن میں مسجد کی جگہ ہی کو مسجد اقصی کہا گیا- **2** ھ

624ء تک بیت المقدس ہی مسلمانوں کا قبلہ تھا، حتی کہ حکم الٰہی کے مطابق کعبہ (مکہ) کو قبلہ قرار دیا گیا۔ 17ھ یعنی 639ء میں عہد فاروقی میں بیت المقدس پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا۔ بیت المقدس کے عیسائیوں سے معاہدہ صلح طے پانے اور مقدس شہر پر مسلمانوں کے قبضے کے بعد حضرت عمر نے بیت المقدس سے روانگی کے وقت صخرہ اور براق باندھنے کی جگہ کے قریب مسجد تعمیر کرنے کا حکم دیا جہاں انہوں نے اپنے ساتھیوں سمیت نماز ادا کی تھی۔ یہی مسجد بعد میں مسجد اقصیٰ کہلائی (کیونکہ قرآن مجید کی سورۂ بنی اسرائیل کے آغاز میں اس مقام کو مسجد اقصیٰ ہی کہا گیا ہے)۔ جب حضرت عمر نے اس علاقے کو فتح کیا تو یہاں کا دورہ کیا۔ عین اس جگہ پہنچنے کے بعد آپ نے کعب الاحبار سے پوچھا کہ ہمیں کس جگہ مسجد تعمیر کرنی چاہیے تو انہوں نے کہا کہ اس پہاڑ کے پیچھے تعمیر ہونی چاہیے۔ مگر خلیفہ دوم نے جواب دیا کہ تعمیر اس پہاڑ کے سامنے ہوگی کیونکہ مسلمان ہمیشہ مساجد کے سامنے نماز ادا کرتے ہیں۔ تاریخ التباری میں ہے کہ جب حضرت عمر نے کعب الاحبار سے دریافت کیا کہ مسجد کہاں تعمیر ہونی چاہیے تو انہوں نے کہا کہ پہاڑ کے پیچھے، حضرت عمر نے فرمایا میں مسجد کی تعمیر اس پہاڑ کے عین سامنے کروں گا جیسا کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے مسلمانوں کی تمام مساجد کیلئے قبلہ بنا دیا تھا۔ جب خلیفہ دوم حضرت عمر کو یروشلم کی چابیاں دی گئیں تو اہل یروشلم نے خلیفہ کا استقبال نہایت جوش وخروش سے کیا۔ شہر میں داخل ہونے کے بعد خلیفہ دوم نے شکرانے کے نوافل کی ادائیگی کیلئے اہل علاقہ سے جگہ کی بابت دریافت کیا لوگوں نے آپ کی توجہ ایک گرجا گھر کی طرف دلائی لیکن حضرت عمر نے جو جواب دیا وہ قیامت تک اسلام کے ''فلسفہ برداشت'' کی روشن مثال ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں ہرگز گرجا میں نماز ادا نہیں کروں گا۔ مبادا کہ بعد میں آنے والے مسلمان اسے ایک فرض عمل نہ سمجھ لیں اور ہر گرجا گھر کو مسجد میں بدل نہ دیں۔ اس وجہ سے آپ نے وہاں نماز ادا نہ کی۔ حضرت عمر نے اس جگہ چند دن قیام کیا اور مسلمانوں کیلئے بلند جگہ پر مسجد کی تعمیر کی۔ آج یہ مسجد ''مسجد عمر'' کے نام سے بھی جانی جاتی ہے۔ جب یروشلم فتح ہوا تو سیدنا عمر نے ان سے کہا کہ مجھے مسجد داؤد اور محراب

داؤد دکھاؤ کیونکہ اس کا ذکر قرآن میں ہے۔ انہیں اس مقدس جگہ کے دروازے پر لے جایا گیا جس کا ذکر قرآن پاک میں ہے۔ وہاں عرصہ دراز سے صفائی نہ ہونے کے باعث گندگی کے ڈھیر لگے ہوئے تھے جس کی وجہ سے داخلی دروازے کا راستہ بند ہو چکا تھا۔ حضرت عمر فاروق نے دائیں اور بائیں دیکھا اور فرمایا کہ ''میں قسم کھاتا ہوں اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ یہی وہ مسجد داؤد ہے جس کا ذکر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے کیا تھا۔'' اس کے بعد حضرت عمر فاروق نے اپنے بدن کے کپڑوں سے اس جگہ کی صفائی شروع کر دی۔ یہ دیکھ کر وہاں پر موجود مسلمان بھی آپ کی پیروی کرنے لگے۔ اس کے بعد آپ مسجد میں داخل ہوئے۔ وہاں پر نماز ادا کی اور تلاوت قرآن کی۔ اس طرح سے وہ عمارت ایک مسجد کے روپ میں آج بھی موجود ہے۔ اس دور میں بہت سے صحابہ نے تبلیغ اسلام اور اشاعت دین کی خاطر بیت المقدس میں اقامت اختیار کر لی۔ خلیفہ عبد الملک کے عہد میں یہاں مسجد اقصیٰ کی تعمیر عمل میں آئی اور صخرہ معراج پر قبۃ الصخرہ بنایا گیا۔ 1099ء (492ھ) میں یورپی صلیبیوں نے بیت المقدس پر قبضہ کر کے ستر ہزار مسلمان شہید کر دیئے۔ 1087ء (583ھ) میں سلطان صلاح الدین ایوبی نے بیت المقدس کو آزاد کرا لیا۔ خلیفہ عبد الملک نے مسجد اقصیٰ کی تعمیر شروع کرائی اور خلیفہ ولید بن عبد الملک (705ء تا 715ء) نے مسجد اقصیٰ کی تعمیر مکمل کی اور اس کی تزئین کی اور ابوجعفر منصور نے اس کی مرمت کرائی۔ صلیبیوں نے جب بیت المقدس پر قبضہ کیا تو مسجد اقصیٰ میں بہت ردوبدل کیا گیا۔ انہوں نے مسجد میں رہنے کے کئی کمرے بنا لیے اور اس کا نام معبد سلیمان رکھا، نیز متعدد دیگر عمارتوں کا اضافہ کیا جو بطور جائے ضرورت اور اناج کی کوٹھیوں کے استعمال ہوتی تھیں۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے 1187ء میں شہر بیت المقدس فتح کر کے مسجد اقصیٰ کو دوبارہ تعمیر کیا۔ مسجد اقصیٰ کے نام کا اطلاق پورے حرم قدسی پر ہوتا تھا جس میں سب عمارتیں جن میں اہم ترین قبۃ الصخر ہے جو اسلامی طرز تعمیر کے شاندار نمونوں میں شامل ہے۔ وہ مسجد جو نماز کی جگہ ہے وہ قبۃ الصخر نہیں لیکن آج کل قبہ کی تصاویر پھیلنے کی بناء پر اکثر مسلمان اسے ہی مسجد اقصیٰ

خیال کرتے ہیں حالانکہ فی الواقع ایسی کوئی بات نہیں مسجد تو بڑے صحن کے جنوبی حصہ میں اور قبہ صحن کے وسط میں ایک اونچی جگہ پر واقع ہے۔زمانۂ قدیم میں مسجد کا اطلاق پورے صحن پر ہوتا تھا ابن تیمیہ نے لکھا ہے کہ ''مسجد اقصیٰ اس ساری مسجد کا نام ہے جسے سلیمان علیہ السلام نے تعمیر کیا تھا اور بعض لوگ اس مصلی یعنی نماز پڑھنے کی جگہ کو جسے عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ نے اس کی اگلی جانب تعمیر کیا تھا اقصیٰ کا نام دینے لگے ہیں، اس جگہ میں جسے عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ نے تعمیر کیا تھا نماز پڑھنا باقی ساری مسجد میں نماز پڑھنے سے افضل ہے۔'' قبۃ الصخرہ: اموی خلیفہ عبد الملک (685ء تا 705ء) نے قبۃ الصخرہ کی تعمیر مکمل کی اور مامون الرشید اور معتصم کے زمانے میں اس کی تجدید ہوئی۔ مشہور مسلمان جغرافیہ نگار مقدسی یروشلم میں 375ء میں پیدا ہوا تھا، وہ قبۃ الصخرہ کے بارے میں لکھتا ہے ''یہ ایک ہشت پہلو عمارت ہے۔ اس کے چار دروازے ہیں جن تک سیڑھیوں کے ذریعے پہنچا جاتا ہے۔ اندرونی حصہ تین ہم مرکز والانوں میں منقسم ہے جن کے ستون سنگ مرمر کے ہیں۔ اس کے وسط میں صخرہ ہے اور اس کے نیچے غار ہے جس میں ستر آدمی سما سکتے ہیں۔صخرہ کے گرد ستونوں کا حلقہ اسے باقی حصوں سے جدا کرتا ہے، اس کے اوپر ایک دریچے دار ڈھولنا ایک خوبصورت گنبد کو اٹھائے ہوئے ہے۔گنبد کی چھت تک بلندی 100 باع (سوا سو گز) ہے۔گنبد لکڑی کے تین چوکھٹوں کا بنا ہوا ہے۔ نیچے والے پر سنہری تانبا چڑھا ہوا ہے، دوسرا لوہے کی سلاخوں کا ہے اور تیسرا لکڑی کا، جس پر دھات کے پترے چڑھے ہوئے ہیں۔ ہیکل سلیمانی کی تباہی: ہیکل سلیمانی اور بیت المقدس کو 586 ق م میں شاہ بابل (عراق) بخت نصر نے مسمار کر دیا تھا اور وہ ایک لاکھ یہودیوں کو غلام بنا کر اپنے ساتھ عراق لے گیا تھا۔ بیت المقدس کے اس دور بربادی میں حضرت عزیز کا وہاں سے گزر ہوا، انہوں نے اس شہر کو ویران پایا تو تعجب ظاہر کیا کہ کیا یہ شہر کبھی پھر آباد ہوگا؟ لیکن سو سال بعد بیت المقدس پھر آباد اور پر رونق شہر بن چکا تھا۔ بخت نصر کے بعد 539 ق م میں شہنشاہ فارس کوروش کبیر (سائرس اعظم) نے بابل فتح کر کے بنی اسرائیل کو فلسطین واپس جانے کی اجازت دے دی۔

یہودی حکمران ہیرود اعظم کے زمانے میں یہودیوں نے بیت المقدس شہر اور ہیکل سلیمانی پھر تعمیر کر لیے تھے۔ یروشلم پر دوسری تباہی رومیوں کے دور میں نازل ہوئی۔ رومی جرنیل ٹائٹس نے 70ء میں یروشلم شہر اور ہیکل سلیمانی دونوں مسمار کر دیے۔ بیت المقدس پر یہود کا قبضہ: پہلی جنگ عظیم دسمبر 1917ء کے دوران میں انگریزوں نے بیت المقدس اور فلسطین پر قبضہ کر کے یہودیوں کو آباد ہونے کی عام اجازت دے دی۔ نومبر 1947ء میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے فلسطین کو عربوں اور یہودیوں میں تقسیم کر دیا اور جب 14 مئی 1948ء کو یہودیوں نے اسرائیل کے قیام کا اعلان کر دیا تو پہلی عرب اسرائیل جنگ چھڑ گئی۔ اس جنگ کے نتیجے میں اسرائیلی فلسطین کے 78 فیصد رقبے پر قابض ہو گئے تاہم مشرقی یروشلم (بیت المقدس) غرب اردن کے علاقے اردن کے قبضے میں آ گئے۔ تیسری عرب اسرائیل جنگ (جوان 1967ء) میں اسرائیلیوں نے بقیہ فلسطین اور بیت المقدس پر بھی تسلط جما لیا۔ یہودیوں کے بقول 70ء کی تباہی سے ہیکل سلیمانی کی ایک دیوار کا کچھ حصہ بچا ہوا ہے جہاں دو ہزار سال سے یہودی زائرین آ کر رویا کرتے تھے۔ اسی لیے اسے دیوار گریہ کہا جاتا ہے۔

مسجد اقصیٰ روتی ہے' امت مسلم سوتی ہے

اسرائیلی فوجی ایک مرتبہ پھر قبلۂ اول مسجد اقصیٰ پر چڑھ دوڑے ہیں ...... اور اس مسجد کے دروازے اہلِ ایمان پر گذشتہ کئی دنوں سے بند ہیں' صورتحال کچھ یوں ہے کہ ''مسجدِ اقصیٰ روتی ہے' امتِ مسلم سوتی ہے''۔ یہ کوئی پہلی مرتبہ نہیں کہ دشمن نے مسجدِ اقصیٰ کے بیٹوں کو للکارا ہو' لیکن پہلے اس پکار پر لبیک کہنے والوں کا تانتا بندھا ہوتا تھا...... کسی شاعر نے کہا تھا:

اقصیٰ نے پکارا تو خون کھول اٹھا

تیرے بیٹے تیرے جانباز چلے آتے ہیں

ہر مختصر وقفے کے بعد یہودیوں کو مسجدِ اقصیٰ کا وجود کھٹکنے لگتا ہے اور وہ اس کی شہادت کے درپے ہوجاتے ہیں۔

اس کے پسِ پردہ یہودیوں کے کیا عزائم کارفرما ہیں؟ اس کیلئے ہمیں صیہونیت کے ماضی میں جھانکنا ہوگا، تاکہ ان کے مذموم عقائد و مقاصد سے آگاہی حاصل ہو اور قبلۂ اوّل کے خلاف اس گھناؤنی سازش کی حقیقت سامنے آسکے۔

صہیونی تحریک روز اوّل ہی سے مسجد اقصیٰ کی جگہ ہیکل سلیمانی تعمیر کرنے کے مذموم ارادے رکھتی ہے جو صہیونی دعوؤں کے مطابق دو ہزار سال قبل مسجد اقصیٰ کی جگہ کھڑا تھا اور جسے ۷۰ء میں مکمل طور پر تباہ کردیا گیا تھا۔ چنانچہ صہیونی تحریک کی طویل تاریخ میں یہودی ربّی اور تالمود کے فضلاء اس ہیکل کی جزئیات پر غور کرتے رہے ہیں اور ۱۹۴۹ء میں یہودی ماہرین تعمیر کی ایک کمیٹی نے ہیکل کا ایک تعمیراتی ڈیزائن اور خاکہ تیار بھی کرلیا تھا۔

۱۹۶۵ء میں جو عالمی میلہ نیویارک میں منعقد ہوا تھا اس میں یہودی تنظیموں کے اجلاس میں مسجد اقصیٰ کی جگہ تعمیر کیے جانے والے ہیکل کی نمائش کی گئی اور جب ۱۹۶۷ء میں اسرائیل نے بیت المقدس پر قبضہ کرلیا تو عالمی صہیونی تنظیم نے مسجد اقصیٰ کی جگہ ہیکل تعمیر کرنے کیلئے ایک خصوصی فنڈ کا اجراء کیا اور مختصر سی مدت میں بیس کروڑ ڈالر جمع ہوگئے۔ بیت المقدس پر یہودی قبضہ کے ساتھ ہی مسجد اقصیٰ کی بے حرمتی کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ حرم شریف میں یہودیوں کے اجتماع ہونے لگے، جن میں رقص و سرود اور غیر اخلاقی حرکات کے شرمناک مظاہرے ہوتے ہیں۔ مسجد اقصیٰ کے دروازے یہودی سیاحوں کیلئے کھلے ہیں۔ وہ اپنے کتوں کے ساتھ جوتے پہنے حدودِ مسجد میں گھومتے پھرتے ہیں اور قبۃ الصخراء اور مسجد کی حدود میں یہودی جوڑے کھلے بندوں بوس و کنار میں مصروف نظر آتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہودیوں نے ایک ماہ کے اندر اندر ''البراق الشریف'' کے سامنے والے چوک تک ایک نیا کشادہ راستہ تعمیر کرنے کیلئے مسلم اوقاف کی ایک مسجد اور ۱۳۵ عمارتوں کو ڈائنامیٹ سے اُڑادیا۔ البراق الشریف مسجد اقصیٰ کی مغربی دیوار سے ملحق ہے۔

یہ وہی مقام ہے جہاں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج کے موقع پر اپنے براق کو باندھا تھا۔ یہودی اس جگہ کو ''دیوارِ گریہ'' کہتے ہیں۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ دیوار گریہ پر یہودی دعویٰ کو ۱۹۳۰ء میں اقوام متحدہ کی مقرر کردہ عالمی کمیٹی رد کر چکی ہے۔

اسرائیل نے مارچ ۱۹۶۸ء میں اپنے ماہرینِ آثارِ قدیمہ کو مسجد اقصیٰ کے نیچے اور اس کے نواحی علاقے میں کھدائی پر مامور کر دیا تاکہ یہودی ہیکل کے آثار تلاش کیے جاسکیں۔ وہ حرم الشریف کی حدود میں بھاری مشینری کے ساتھ داخل ہوئے اور جگہ جگہ سے اس مقدس مقام کی کھدائی ہونے لگی اور یہودیوں نے مسجد کے نیچے ایک سرنگ نکالی۔ چنانچہ ۱۰ جون ۱۹۶۸ء کو یروشلم سنڈے پوسٹ نے ان ماہرین اور مشینوں کو حرم الشریف میں کھدائی کرتے ہوئے دکھایا اور دو صفحات پر پھیلے ہوئے اس تصویری فیچر کا عنوان ''ہیکل کی دیواروں کی تلاش'' قائم کیا۔ اسرائیلی اخبار یروشلم پوسٹ لکھتا ہے:

''۷۰ء میں ٹیٹوس کی آگ نے ہیکل کا کوئی نشان نہیں چھوڑا صرف ہیرود کی تعمیر کردہ دیواروں کے آثار باقی ہوں گے یا جیسا کہ ماہرین آثار قدیمہ کا کہنا ہے کہ ایک صدی قبل مسیح میں ہیکل کے اردگرد چاروں طرف جو فٹ پاتھ تھا اس کے آثار یا اس فٹ پاتھ کی دریافت ہے۔ اس مہم کی نگرانی پروفیسر بینجمن مازار کر رہے ہیں۔ پروفیسر مازار کے کاریگروں کی پوری توجہ دیوار گریہ اور اس سے متصل جنوبی دیوار کے ساتھ ستر میٹر کا رقبہ ہے۔''

پروفیسر بینجمن نے یروشلم پوسٹ کے نمائندے کو بتایا کہ ''ہم تیرھویں چودھویں صدی کی سطح سے ہیرود کے عہد کی گہرائی تک کھدائی کریں گے۔ بعد ازاں پہلے ہیکل کی بنیادیں تلاش کی جائیں گی۔''

جیسا کہ اوپر کہا جاچکا ہے کہ صہیونیوں نے اپنی اس سیاسی اور مذہبی آرزو کو کبھی نہیں چھپایا کہ وہ مسجد اقصیٰ کو گرا کر اس جگہ ہیکل تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔ ان کی یہ خواہش اتنی ہی قدیم ہے جتنی صہیونی تحریک ہے۔ صہیونی ہمیشہ سے کہتے رہے ہیں کہ ''یروشلم کے بغیر صہیون اور یہودی ہیکل کے بغیر

یروشلم کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔‘‘

۲۰ نومبر ۱۹۳۰ء کو رومانیہ کے ربی اعظم ’’ابراہام روز نباش‘‘ نے مفتی اعظم فلسطین الحاج امین الحسینی کو ایک خط لکھا جس میں اس نے مسجد اقصیٰ کو یہودیوں کے حوالے کرنے کی ضرورت پر زور دیا۔ تاکہ یہودی مذہبی عبادات کر سکیں۔ اس قسم کا ایک خط اس نے حکومت فلسطین کے سیکریٹری جنرل کو بھی لکھا مگر دال نہ گلی۔ چنانچہ ۱۹۴۸ء کی جنگ میں یہودیوں نے دوبارہ مسجد اقصیٰ پر زبردست بمباری کی اور مسجد کے گنبد اور قبۃ الصخراء کو نشانہ بنا کر گولہ باری کی جس سے مسجد کی دیواروں، قبۃ الصخراء اور گنبد اقصیٰ کو شدید نقصان پہنچا۔ یہودیوں نے اپنے حصول مقصد کیلئے جان کی بازی لگا دی۔ ہزاروں افراد اس غرض کی خاطر جنگ میں جھونک دیئے لیکن فلسطینی مجاہدین نے ان کے ہر حملے کو پسپا کر دیا۔ ہزاروں یہودی قتل ہوئے۔ آخر پسپا ہو گئے اور اقوام متحدہ کی تحریک پر فریقین میں جنگ بندی ہو گئی۔ تاہم تل ابیب میں ربی اعظم نے اعلان کیا:

’’اسرائیل کا دار الحکومت تل ابیب نہیں بیت المقدس ہو گا کیونکہ ہیکل سلیمانی اسی شہر میں تھا۔‘‘

صہیونیت ایک سیاسی و مذہبی تحریک ہے اور اس کا داعی اسرائیل مسلسل اپنے پوسٹ کارڈوں پر مسجد اقصیٰ اور دوسرے مسلم مقامات کی تصاویر چھاپتا رہا۔ ان پر یہودی پرچم لہراتا نظر آتا اور یہ تأثر دیا جاتا کہ یہ یہودی مقامات ہیں۔ آخر جون ۱۹۶۷ء کی جنگ میں یہودی نہ صرف مسجد اقصیٰ پر قابض ہوئے بلکہ جبرون میں سیدنا ابراہیم الخلیل علیہ السلام کا حرم شریف بھی ان کے قبضے میں چلا گیا۔ حرمِ خلیل اللہ پر قبضہ کے فوراً بعد انہوں نے اس پر یہودی پرچم لہرا دیا اور عبرانی زبان میں جگہ جگہ تختیاں نصب کر دیں کہ ’’یہ یہودی ملکیت ہے‘‘۔ مسلمانوں کا داخلہ اس مقدس مسجد میں بند کر دیا گیا۔ ان سے کہا گیا کہ وہ صرف جمعہ کی نماز یہاں ادا کر سکتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی اسے ایک ’’یہودی عجائب گھر‘‘ میں بدل کر یہودی سیاحوں کی سیر گاہ میں تبدیل کر دیا گیا۔ مسلمانوں نے اس پر شدید احتجاج کیا لیکن ان کی قوت مدافعت جواب دے گئی اور یہودی اس پر اپنا قبضہ مستقل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

۲۱/اگست ۱۹۶۹ء کو دنیائے اسلام کا المناک ترین سانحہ پیش آیا۔ اس روز ساڑھے تین گھنٹے تک مسجد اقصیٰ میں آگ بھڑکتی رہی جس سے جنوب مشرقی جانب عین قبلے کی طرف چھت کا بڑا حصہ گر پڑا۔ مسجد کا یہ حصہ عین اس مقام پر تھا جہاں سے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سفر معراج کا آغاز فرمایا تھا۔ اس کے قریب ہی البراق (دیوار گریہ) ہے جو محفوظ رہی۔ سلطان صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ کا یادگار منبر جل کر راکھ سیاہ ہوگیا اور دوسرے متعدد نوادر بھی آگ کی نذر ہوگئے۔ یہ آگ اسرائیل نے لگوائی تھی۔ گو اسرائیل نے اپنے جرم کو چھپانے کیلئے ایک شخص روہن کو گرفتار کیا اور اس پر مقدمہ چلایا لیکن اسے جو معمولی سزا دی گئی اس سے کوئی شبہ نہیں رہا کہ اس کے پیچھے صہیونی عزائم کارفرما تھے جو اس جگہ ہیکل کی تعمیر کے خواب صدیوں سے دیکھ رہے ہیں۔ اس آتشزدگی کے بعد سرزمین القدس ایک بار پھر مسلمانوں کے خون سے لالہ زار ہوگئی جو اپنی بے بسی کے باوجود اسرائیل کے خلاف گلیوں میں نکل آئے تھے۔ مزید برآں سارے عالم اسلام میں غیض وغضب کی لہر دوڑ گئی لیکن تاحال مسجد اقصیٰ کے بام و در اس ایوبی کے منتظر ہیں جو اسے پھر کفار کے نرغے سے نجات دلا کر اس کی حرمت بحال کرے۔

۲۸ ستمبر ۲۰۰۰ء بروز جمعرات کو صابرہ اور شتیلہ کے مقام پر ہزاروں مسلمانوں کو قتل کرنے والے دہشتگرد یہودی جرنیل ایریل شیرون نے آنے والے اسرائیلی وزیر اعظم کے انتخابات جیتنے کیلئے حزب مخالف کے لیڈر کی حیثیت سے اپنے گندے وجود سے مسجد اقصیٰ کے تقدس کو پامال کیا۔ ایریل شیرون کی اس ناپاک جسارت پر مسلمانوں نے اس کے خلاف زبردست احتجاج کیا۔ جس کے بعد یہودی دہشت گرد فوج اور مسلمانوں میں جھڑپیں شروع ہوگئیں۔ ان خونی جھڑپوں میں (۲۸ ستمبر ۲۰۰۰ء سے ۲۱/اکتوبر ۲۰۰۰ء تک) ۱۰۰ سے زائد نہتے مسلمان شہید اور ہزاروں زخمی ہوئے ہیں۔ فلسطین میں جاری انتفاضہ کی حالیہ تحریک شیرون ملعون کے مسجد اقصیٰ میں اسی داخلے کے بعد سے شروع ہوئی اور آج تک جاری ہے۔

ان مختصر سی تفصیلات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہودیوں نے مسجد اقصیٰ کو شہید کرنے اور اسے اپنے

ناپاک پیروں تلے روندنے کی بارہا جسارت کی، لیکن تجربات نے یہ ثابت کردیا کہ یہودیوں کی ایسی کوئی بھی کھلی اور ظاہری کوشش کامیاب نہیں ہوسکی۔ چنانچہ انہوں نے اپنے ناپاک اور مذموم مقاصد کی تکمیل کیلئے مسجدِ اقصیٰ کے دروازے مسلمانوں پر بند کر کے خفیہ طور پر اس کی عمارت کو کھوکھلا کرنے کیلئے عمارت کی بنیادوں میں چھپ چھپ کر سرنگیں کھودنے کا سلسلہ بھی برقرار رکھا ہوا ہے۔ مسجدِ اقصیٰ آج بھی زبانِ حال سے مسلمان حکمرانوں اور عوام کو پکار رہی ہے:

یہ مسلمانوں پہ اسرائیل کے ظلم وستم؟
شرم اے شاہانِ دنیا، شرم اے اہلِ حرم
خونِ مسلماں کا یہاں اس درجہ ارزاں ہوگیا
دیکھتے ہی دیکھتے القدس ویراں ہوگیا
جو تجھے بیدار رکھتی تھی وہ غیرت کیا ہوئی
اے مسلماں! آج وہ تیری حمیت کیا ہوئی؟
اپنی عظمت خود ترے ہاتھوں سے تاراج کیوں
عیش وعشرت میں مگن ہے اس قدر تو آج کیوں؟
دندناتے پھر رہے ہیں تیرے ملکوں میں یہود
اس قدر کمزور وبے حس ہوگیا تیرا وجود؟
کی گئیں پامال تیری بیٹیوں کی عصمتیں
فوجِ صہیونی کے ہاتھوں اُف یہ تیری ذلتیں
اے مسلماں کیا ہوا وہ جوشِ ایمانی ترا؟
تجھ میں کیا باقی نہیں وہ عزم قربانی ترا
نام کے ڈنکے ترے بجتے تھے دنیا میں کبھی!
پھول کھلتے تھے قدم سے تیرے صحرا میں کبھی

ولولہ اک سرفروش کا وہ تیرے خوں میں تھا
تیری جانبازی کا چرچا گنبدِ گردوں میں تھا
جب تلک سینے میں تیرے گرمیٔ ایماں رہی
لرزہ براندام تجھ سے گردشِ دوراں رہی
وقف کردے خود کو گر تو دین وملت کے لئے
رحمت حق آئے بڑھ کر تیری نصرت کے لئے

اللہ تعالیٰ مسجدِ اقصیٰ اور اہلِ فلسطین کی حفاظت فرمائے اور مسجد اقصیٰ کو ویران کرنے والوں کو نشانِ عبرت بنائے۔ (آمین)

❁❁❁❁❁❁❁

محمد رضا مرکزی
الجامعۃ القادریہ نجم العلوم
پلاٹ ۱۴، سروے ۳۹، نیا اسلامپورہ، مالیگاؤں ناسک ۴۲۳۲۰۳
RAZAMARKAZI@GMALI.COM
WWW.RAZAMARKAZI.WORDPRESS.COM
CALL:08446974711

مفتی محمد رضا مرکزی کی تصانیف ایک نظر میں

(۱) امام مہدی اور احادیث مبارکہ

(۲) اللہ کی حیرت انگیز مخلوق ۔۔ جنات

(۳) قصص صالحین اول

(۴) قصص صالحین دوم

(۵) روشن حکایات

(۶) تعلیمات رضا اور ہم

(۷) وسیلہ، عرس، زیارت، ایصال ثواب اور تیجہ (معمولات اہل سنت)

(۸) اچھوں کی اچھی باتیں

(۹) مسلمانوں کے بدترین دشمن ۔۔ یہودی

(۱۰) مقالات مرکزی

(۱۱) شرعی عدالت (مجموعہ فتاوی مرکزی)

(۱۲) کفن دفن کے مسائل

(۱۳) ماہ شعبان المعظم اور شب برأت

(۱۴) آثار مقدسہ کے آداب

(۱۵) تفسیر معوذتین

(۱۶) برکات رمضان

(۱۷) غزوات رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

(۱۸) غزوہ بدر

(۱۹) غزوہ احد

(۲۰) غزوہ خیبر

(۲۱) فتح مکہ

(۲۲) امام احمد رضا ۔۔ کون؟

(۲۳) مسجد اقصیٰ کی پکار

(۲۴) عروج کی جاہ مساجد